منوّر افکار

(نظموں کا مجموعہ)

رفیق انجم

مــــــرتّب

ڈاکٹر خالد محمود

MONAWAR AFKAR
by
RAFEEQUE ANJUM

میں خوش ہوں اس بات سے کہ مجھ کو دربھنگہ کے مستند اور معتبر بزرگ شاعر جناب رفیق انجم کے دوسرے شعری مجموعہ ''منوّر افکار'' کی ترتیب کا موقع حاصل ہوا۔ بلاشبہ موصوف ایک پختہ کار شاعر ہیں جنہیں فنِ شاعری کا درک حاصل ہے۔ تفحصِ الفاظ اور فصاحت و بلاغت کے نقطۂ نظر سے ان کے مجموعہ میں معیاری نظمیں نظر آتی ہیں۔ اس سے پہلے ان کی غزلوں کا مجموعہ ''ساحل بولتا ہے'' شائع ہو کر ان کے فکری وفنّی مرتبہ کو متعین کر چکا ہے۔ اب یہ دوسرا مجموعہ جس میں ان کی پابند نظمیں درج ہیں اسے پورے اعتماد کے ساتھ باذوق قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ ان کے متعلق محترم ظفر حبیب صاحب کی چند آرا درج کرتا ہوں کہ اس سے میرے دعووں کو دلیل حاصل ہو۔

''جناب رفیق انجم کو جب میں نے پہلی بار سنا تھا اور جب ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ساحل بولتا ہے'' نظر نواز ہوا تو اس وقت میرا یہی تاثر تھا کہ انجم غزل سے زیادہ نظم کے شاعر ہیں...... جب ان کی نظموں کا مسوّدہ میں نے دیکھا تو خدا کا بے حد شکر ادا کیا کہ مجھ کو سجدۂ سہو نہیں کرنا پڑا....... نظم نگاری کے لئے کائنات کا مطالعہ، تخیل کا سرمایہ اور تفحصِ الفاظ کا سلیقہ درکار ہے۔ جب تک کوئی شاعر ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتا نظم نگاری نہیں کرسکتا۔ رفیق انجم کے یہاں یہ سبھی کمالات حسبِ ضرورت موجود ہیں....... رفیق انجم نے حیات و کائنات کو ایسی نظر سے دیکھا ہے جس کے لئے غالبؔ نے 'دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو' کی شرط لگا رکھی ہے اور حالیؔ نے کائنات کا مطالعہ کی شرط جس شاعری کے لئے قرار دیا ہے ہر وہ شخص جو اس نقطۂ نظر سے حیات و کائنات کو دیکھے گا تو وہ خود بھی عبرت حاصل کرے گا اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے گا۔ انجم کے یہاں حیات و کائنات اپنی بوقلمونی کے ساتھ موجود ہے''۔

کتاب کی ترتیب میں شاعر کی فکر و نظر کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ پابند نظم آج کے زمانہ میں تقریباً متروک ہے لیکن رفیق انجم اپنی ڈگر پر چلنے کے قائل ہیں۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ جب ان کا یہ مجموعہ منظرِ عام پر آ رہا ہے تو شعراء کی توجہ پابند نظموں کی جانب ہو چکی ہے۔ کہیں کہیں ان کا اندازِ گفتگو، تیز و تند ہے لیکن یہ ان کے اندر کی آواز ہے جسے نہ وہ دبا سکے نہ میں ان کے اس اظہار کی راہ میں حائل ہو سکا۔ سچائی کا تلخاب حاضر کرتے ہوئے یہ امید کرتا ہوں کہ ان کی شاعری کو اہلِ نظر کا اعتبار ضرور حاصل ہوگا۔ ڈاکٹر خالد محمود (مرتب)

یہ کتاب اردو ڈائرکٹوریٹ، حکومتِ بہار، پٹنہ کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے

نام کتاب	:	منوّر افکار
مصنف	:	رفیق انجم
موبائل	:	09973077924
ایوارڈ	:	بہار اردو اکیڈمی، پٹنہ سے اختر قادری ایوارڈ
		برائے شعری مجموعہ ''ساحل بولتا ہے'' ۲۰۱۴ء
مرتب	:	ڈاکٹر خالد محمود۔ 09122237080
سنِ اشاعت	:	2016
قیمت	:	-/130 روپے
تعداد اشاعت	:	500
کمپوزنگ	:	افضل، نایاب گرافکس، دربھنگہ۔**9905228544**
مطبع	:	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔٦

ملنے کے پتے

(۱) اینجل ہائی اسکول، بھیگو دربھنگہ

(۲) ارشاد بک ڈپو، رحم گنج، دربھنگہ

(۳) بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ

(۴) فیاض ارشد، بتھیا، دربھنگہ

منوّر افکار

(نظموں کا مجموعہ)

رفیق انجم

مـــــرتّب

ڈاکٹر خالد محمود

انتساب

پدرِ بزرگوار شیخ منوّر علی مرحوم

والدہ محترمہ بی بی مقبولہ خاتون مرحومہ

اور

جملہ اساتذۂ کرام کے ساتھ

اپنی اہلیہ

حُسن بانو کے نام

جن کے ایثار اور خلوص نے

حالات سے لڑنے کا مجھے حوصلہ بخشا

ترتیب

☆☆

رفیق انجم کی نظمیہ شاعری

جناب رفیق انجم کو جب میں نے پہلی بار سنا تھا اور جب ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ساحل بولتا ہے'' نظر نواز ہوا تو اس وقت میرا یہی تاثر تھا کہ انجم غزل سے زیادہ نظم کے شاعر ہیں۔ میری نظر میں نظم نگاری غزل گوئی سے زیادہ مشکل کام ہے۔ آج جب ان کی نظموں کا مسودہ میں نے دیکھا تو خدا کا بے حد شکر ادا کیا کہ مجھ کو سجدۂ سہو نہیں کرنا پڑا۔ نظم اور وہ بھی پابند نظم رقم کرنا بقول آتش

بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصّع ساز کا

بیشک یہ ایک مرصّع سازی ہے۔ الفاظ کے سہارے شاعر مرقع سازی کرتا ہے۔ یہ مرقع سازی وقت کی نبّاضی سے اسے حاصل ہوتی ہے۔ ایک جذبہ دل میں اٹھا۔ پروردگار نے جو وجدان عطا فرمایا اس کے فیض سے ایک خوبصورت، دلنشیں اور اثر انگیز شعر خود بہ خود دل و دماغ میں کلبلانے لگا۔ یہاں تک کہ شاعر نے اسے صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا۔ پھر اس شعر کا پس منظر اور پیش منظر بن کر اور بھی کئی شعر موزوں ہو گئے۔ یہ ہے غزل گوئی کی صورتحال۔

اس کے برخلاف کوئی واقعہ، کوئی سانحہ، کوئی حادثہ، خوشنما، پرتاثیر، دردانگیز، نصیحت آمیز اور حیرت خیز، حواس سے آملا۔ پھر اندرون میں ایک تحریک ہوئی، ایک وسوسہ رونما ہوا، ایک ولولہ کی کیفیت پیدا ہوئی۔ شاعر قلم لے کر بیٹھ گیا تفصیلات کے تانے بانے بننے لگا۔ کبھی اس کا آنچل بُنا، کبھی پرچم بُنا، کبھی ردا تیار ہوئی، کبھی دلق وگلیم بُنا، کبھی کفن کی شکل اختیار کر گیا اور کبھی ایک بڑا کینواس بن کر سامنے کھڑا ہو گیا جس پر

رنگ برنگ کے سجیلے، روپہلے، چہکتے اور تھرکتے نقوش ابھرنے لگے یہی ہے نظم نگاری۔

اس نظم نگاری کے لئے کائنات کا مطالعہ، تخیل کا سرمایہ اور تفحص الفاظ کا سلیقہ درکار ہے۔ جب تک کوئی شاعر ان اوصاف سے متصف نہیں ہوتا ہے نظم نگاری نہیں کر سکتا۔ رفیق انجم کے یہاں یہ سبھی کمالات حسبِ ضرورت موجود ہیں۔ پیشِ نظر مجموعہ کلام کا مطالعہ اس کی تائید کرتا ہے۔ رفیق انجم ''مولویانہ ذہن'' کے مالک ہیں یعنی ان کے اندر خدا ترسی کی صفت موجود ہے۔ ایک خدا ترس آدمی بندۂ خدا سے محبت کرنے والا اور اہلِ زمیں کے لئے مہربان ہوتا ہے۔ وہ خود غرض، لالچی، دغاباز، فریب کار اور عیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی ''مولوی نما'' اس کے برعکس نظر آئے تو یہ قصور مولویانہ ذہن کا نہیں مولوی نمائی کا ہے۔ رفیق انجم نے حیات وکائنات کو ایسی نظر سے دیکھا ہے جس کے لئے غالبؔ نے۔ ''دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو'' کی شرط لگا رکھی ہے اور حالیؔ نے کائنات کا مطالعہ کی شرط جس شاعری کے لئے قرار دیا ہے۔ ہر وہ شخص جو اس نقطۂ نظر سے حیات وکائنات کو دیکھے گا تو وہ خود بھی عبرت حاصل کرے گا اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے گا۔ انجم کے یہاں حیات وکائنات اپنی بوقلمونی کے ساتھ موجود ہے۔

کتاب کے سرِ آغاز پر حمد رب کریم کے چار مصرعے درج ہیں اس کے بعد لا الہٰ الا اللہ، پھر صلِ علیٰ محمد اس کے بعد ایک نعت رسول کریمؐ پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد نظموں کا باضابطہ اندراج ہے۔ پہلی ہی نظم ''اعجازِ قرآن'' کے بعد ''حضورؐ کا سفرِ طائف'' دردناک منظر نامہ ہے جس میں درسِ عقیدت اور نمونۂ سیرتؐ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد مسلسل سات نظمیں حیاتِ طیبہ، منقبت صحابہ اور توصیف علمائے حق کے موضوعات پر ہیں۔ اس کے بعد مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والے مختلف مسائل جو مذہبی، سماجی اور معاشرتی نوعیت کے ہیں انہیں موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ پھر کئی نظمیں مختلف شخصیات کا خاکہ پیش کرتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے انہیں نزدیک

سے واسطہ رہا ہے اور جن کے اندر انہیں کچھ لائقِ ستائش باتیں نظر آئی ہیں۔ ان میں ان کے استادِ سخن احمد حسین شمسؔ کی خدمت میں پیش کیا گیا خراجِ عقیدت ہے۔ محمد شفیع بیرسٹر اور وہاب اشرفی صاحب کی بلند قامتی کا قصیدہ ہے اور اس ناچیز کے لئے بھی محبت کے کچھ پھول ہیں۔ عالمی سیاسی منظر نامہ کی عکاسی کرتی ہوئی کئی نظمیں بھی ہیں جن میں عالمی دہشت گردوں کا سرغنہ جارج بش بھی اور ہندوستان میں فرقہ پرستی وسلم کشی کا کاروبار کرنے والے قاتل اور خونخوار بھی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی جذباتی نظمیں ہیں جن میں انسانی دکھوں کا برملا بیان موجود ہے۔ ایسی نظموں میں ''بے سہارہ'' انتہائی کرب انگیز نظم ہے۔ ہندوستانی سیاست اور سیاست دانوں کے قبیح پہلوؤں پر بھی کئی نظمیں قلم بند کی گئی ہیں۔ علاّمہ گھونسہ دربھنگوی کے منہ پر گھونسہ اور اس گھونسہ سے علاّمہ کی قلمی موت پر ایک مرثیہ ہے، جو سب کی سب قابلِ مطالعہ ہیں۔

انجم صاحب طویل نظمیں لکھنے کے عادی ہیں۔ کسی بھی موضوع پر وہ شرح وبسط سے روشنی ڈالتے ہیں۔ اس شرح وبسط کے چکر میں کبھی کبھی وہ تکرار اور بے جا اطناب کے خطا کار ہو جاتے ہیں۔ ان کی کئی نظمیں بچوں اور جوانوں کے لئے نصیحت آموز ہیں لیکن وہ نظمیں بچوں کے معیار سے بہت بلند ہوگئی ہیں اور اس کی طوالت بچوں کے لئے گوارہ نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر بچوں کے سرپرست چاہیں تو اس کی خواندگی سے اپنے بچوں کو فیض پہنچا سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ اردو میں پابند نظم نگاری کی روایت کو فروغ دینے کی ایک کامیاب کوشش کہی جاسکتی ہے۔ اس کے لئے صاحبِ کتاب تعریف وتحسین کے مستحق ہیں۔

پروفیسر ظفر حبیبؔ
سابق صدر شعبۂ اردو (پی۔جی)
ایل این متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ

☆☆

دوٹوک

قارئینِ کرام! میرا یہ دوسرا شعری مجموعہ ''منوّر افکار'' وہ سفینہ ہے جو طباعت کا متلاطم دریا پار کر کے آپ تک پہنچا اور آپ کے زیرِ مطالعہ ہوا۔ اس کے ذریعہ چار دہائیوں کی کل کمائی کو جو نظموں کی شکل میں ہے داخلِ دفترِ شعر و ادب کیا جا رہا ہے۔

میری یہ کاوشیں فنّی نقطۂ نگاہ سے کتنی کھوٹی ہیں، ان میں اوزان و بحور کو کہاں کہاں پامال کیا گیا ہے، حشو و زوائد کہاں کہاں ان میں در آئے ہیں، ترسیل و ابلاغ کے مسائل کہاں کہاں سر اٹھاتے ہیں، تعقیب و تعقید کی خامیاں کہاں کہاں نظر آتی ہیں صحت الفاظ کی دیوار کہاں کہاں مسمار ہوئی ہے اور شعری آہنگ کہاں کہاں مجروح ہوا ہے ان تمام شعری جزئیات کی گرفت کرنے کا حق اہلِ نظر حضرات کو حاصل ہے۔ میں ان کے گرفت کردہ خیالات کا تہِ دل سے خیر مقدم کروں گا۔

اس سے پہلے ۲۰۱۲ء میں میری غزلوں کا پہلا مجموعہ ''ساحل بولتا ہے'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ اس وقت میں اسے اپنی پہلی اور آخری کتاب تصور کر رہا تھا کیوں کہ اردو کتاب خاص طور سے شعری مجموعہ سے قارئین کی عدم دلچسپی کا شکوہ بڑی حد تک صداقت پر مبنی ہے اور کتاب کی خریدگی کے حوالے سے حالت اتنی حوصلہ شکن ہے کہ دوسری کتاب کی اشاعت کا خیال مجھ جیسے کم مائیگی کا شکار شاعروں کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے لیکن ''ساحل بولتا ہے'' کو اہلِ قلم حضرات بالخصوص ڈاکٹر شاداب رضی، ڈاکٹر محمد شہاب الدین بھاگلپور، ڈاکٹر مشتاق احمد اور شمیم فاروقی صاحبان (دربھنگہ) جن کے گراں قدر خیالات کتاب کی زینت بنے۔

کتاب کی اشاعت کے بعد کئی حضرات نے کتاب کو اپنے تاثرات سے

اعتبار بخشا ان میں پروفیسر ظفر حبیبؔ، ڈاکٹر افسر کاظمی، ڈاکٹر محمد کاظم، مولانا عبدالباری ندویؔ، علی امام انور بارہ بنکوری اور ڈاکٹر عالم گیر شبنم جیسے باوقار اور معروف قلم کاروں نے کتاب پر کھلے دل سے اظہارِ خیال فرمایا۔ اس کے لئے میں ان تمام حضرات کا سپاس گزار ہوں۔ اس سے متاثر ہو کر میرے چند کرم فرماؤں نے میری پیٹھ تھپتھپائی اور حوصلہ دلایا کہ نظموں کا مجموعہ بھی شائع کراؤ۔ طباعت کی ذمہ داری ہماری۔ لہٰذا ان مخلصوں سے حوصلہ پا کر ''نایاب گرافکس'' کے مالک افضل سمیلوی صاحب کو جستہ جستہ نظمیں دیتا گیا اور وہ کمپوزنگ کا کام انجام دیتے گئے۔ اس طرح کمپوزنگ کے مراحل دو سال قبل ہی اختتام پذیر ہو گئے لیکن اہلیہ کی طویل علالت نے ایسا توڑ کر رکھ دیا کہ کتاب کی اشاعت کی طرف سے میرا دھیان ہی جاتا رہا۔

اپنی اہلیہ محترمہ حُسن بانو کے حوالے سے چند جملے رقم کرنا اس لئے ناگزیر ہے کہ وہ میری صرف شریکِ حیات ہی نہیں ہیں، شریکِ غمِ زندگی بھی ہیں۔ جو میرے ساتھ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوتی رہیں لیکن کبھی حرفِ شکایت کو اپنی زبان تک نہ آنے دیا۔ انہوں نے خاوند کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا شعار اور سنگار بنائے رکھا۔ اب جب کہ بیماری کے بعد جسمانی طور پر قدرے معذور ہو چکی ہیں پھر بھی ان کا وہ وطیرہ اپنی جگہ مستحکم ہے۔ اب بھی میری لمحہ بھر کی اداسی ان کے لئے تردد کا باعث بن جاتی ہے۔ حالانکہ میرے پاس ان کو دینے کے لئے وقت پہلے بھی کم تھا اور اب تو بہت کم ہے۔ شہر میں رہ کر اتالیقی اور معلّمی کے ذریعہ چند پیسے حاصل کر کے انہیں نذر کر دیتا ہوں اور بس۔

ساس نندوں سے محرومی اور نا مساعد حالات کے باوجود پانچ بچوں کی پرورش و پرداخت اور ان کی نگہداشت اتنے احسن طریقے سے نباہی کہ کسی کو تو کیا، ان کے والدین کو بھی یہ خبر نہ ہوئی کہ ان کی بیٹی کتنی آزمائش کے دور سے گزر رہی ہے۔

بڑا لڑکا اشتیاق اشرف عرف ممتاز ان دنوں سعودیہ میں ہے، اس سے چھوٹا فیاض اشرف اپنے گاؤں ہی میں بڑے سلیقے سے اپنی زندگی کی گاڑی دوڑا رہا ہے۔ بڑی لڑکی غزالہ ارجمند بانو، منجھلی غفرانہ جبیں، چھوٹی نذرانہ نیلوفر عرف روبی، یہ پانچوں بفضلہٖ تعالیٰ شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہیں۔ دعا گو ہوں کہ ہمارے گلشنِ حیات کے یہ سبھی پھول بہارِ جاوداں سے ہم کنار رہیں اور اپنی خوشبو بکھیرتے رہیں۔

پانچوں بھائی بہنوں نے علالت کے دوران اپنی ماں کی دل و جان سے تیمارداری کی اور ان کی صحت یابی کی دعائیں مانگیں۔ آج ان کی ماں کا بھی رواں رواں اپنے جگر گوشوں کی ترقیٔ حیات کے لئے دست بہ دعا رہتا ہے۔

قارئینِ کرام! جولائی ۲۰۱۵ء کے اواخر میں ایک دن میں افضل صاحب کے پاس کسی کام سے پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ظفر حبیب صاحب اپنے تنقیدی مضامین کو مسوّدہ کی شکل دینے میں مصروف ہیں۔ دریافت حال پر جواب ملا کہ اردو ڈائرکٹوریٹ حکومتِ بہار اردو کے ادباء و شعراء کی کتابوں کی اشاعت کے لئے امداد فراہم کرے گی۔ وہیں مسودہ بھیجنے کی تیاری چل رہی ہے۔ تم بھی اپنا مسوّدۂ کلام بھیج کر قسمت آزمالو۔

اندھا چاہے دونوں آنکھیں۔ یہ سن کر میری باچھیں کھل گئیں۔ نظمیں کمپوز ہو کر افضل صاحب کے کمپیوٹر میں محفوظ تھیں ہی۔ سب کی عکسی کاپی نکلوا کر ظفر حبیب صاحب کے مسوّدہ کے ساتھ اپنا مسوّدہ بھی بھیج دیا۔

کئی ماہ کے بعد یہ حوصلہ افزا خبر موصول ہوئی کہ ’’منوّر افکار‘‘ کو بھی اشاعتی امداد کے لئے منتخب کرلیا گیا ہے۔ اس طرح اردو ڈائرکٹوریٹ کی جانب سے مالی معاونت کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کتاب کی اشاعت کی پُر خار وادی بڑی آسانی سے طے ہوگئی اور کرم فرماؤں کا مشورہ اس لحاظ سے بارآور ثابت ہوا کہ ان کے ہی مہمیز کرنے

پر کمپوزنگ کا کام مکمل کرالیا گیا تھا۔ اس لئے بات کی بات میں مسوّدہ اردو ڈائرکٹوریٹ کے دفتر میں بھیجنا ممکن ہو سکا۔ اس معاملے میں شکر گزار ہوں انجنیئر عمر فاروق رحمانی، پروفیسر سلطان احمد، پروفیسر سہیل اختر صاحبان کا اور عزیز گرامی شرف الاسلام عرف عنبر بابو کا جن کی حوصلہ افزائی سودمند ثابت ہوئی اور ’’منور افکار‘‘ کو منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ بنی۔

نظموں کی کمپوزنگ کے درمیان میرے ذہن میں کتاب کے نام کا مسئلہ سر اٹھانے لگا۔ اس سلسلے میں ایک دن پروفیسر سہیل اختر صاحب سے تبادلہ خیال کیا۔ سہیل صاحب نے زور دے کر کہا کہ کتاب کا نام اپنے والد کے نام سے موسوم کر کے ان کے نام کو زندہ کرو۔

سہیل صاحب نے کتاب کے نام پر اس لئے زور ڈالا کہ ان کو میرے بچپن کے احوال معلوم ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ والدہ کے انتقال کے وقت میری عمر صرف چھ ماہ کی تھی۔ ظاہر ہے چھ ماہ کے شیر خوار بچے کو روتے چلّاتے دیکھ کر باپ کا کلیجہ منہ کو تو ضرور آیا ہوگا لیکن بچے کی بھوک پیاس کا مداوا کرنا باپ کے بس کی بات نہیں۔ اس کام کی انجام دہی کے لئے باپ کو کسی نہ کسی خاتون کی دہلیز تک پہنچ کر اس کی منت سماجت کرنی پڑی ہوگی اور یہ سلسلہ ایک دو روز نہیں بلکہ مہینوں چلا ہوگا۔ لہذا بیٹے کے تئیں باپ کی شفقت و محبت کے جذبے کو ادراک کے پردے پر دیکھا تو محسوس ہوا کہ سہیل صاحب کا کتاب کے نام کے حوالے سے زور ڈالنا ان کے اخلاص پر مبنی ہے۔ چنانچہ لفظ منوّر پر اپنے افکار لگا کر کتاب کا نام ’’منوّر افکار‘‘ رکھ دیا۔ اللہ پاک میرے والدین کو اور ان تمام خواتین کو جن کا خون آج تک میری رگوں میں رواں دواں ہے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئینِ کرام! میں شاعری میں کسی ازم کا جھولا بردار کبھی نہیں رہا اور اب

کیا؟ اب تو زمانہ لد گیا۔ ہر چمکتی ہوئی چیز کو سونا سمجھ کر اپنے گلے لگا لینا اور مغرب نوازی میں اپنی مستحکم روایات کو فرسودہ قرار دے دینا شاخِ نازک پر آشیانہ بنانے کے مصداق ہے۔ ظاہر ہے جو آشیانہ شاخِ نازک پر بنتا ہے وہ بہر حال ناپائیدار ہی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک دو دہائی کے بعد کوئی نہ کوئی ادبی تحریک جنم لیتی ہے اور قصۂ پارینہ بن جاتی ہے۔ اس لئے میں اپنی مستحکم روایات کا پاسدار رہا ہوں اور اسی راہ پر گامزن رہوں گا۔ انشاء اللہ

غزل اور نظم دونوں اصنافِ سخن میں بحر و وزن، ردیف و قافیہ اور دیگر شعری آہنگ کو اولیت کا درجہ دیتا ہوں اور ان پابندیوں سے انحراف کو شاعری کا منہ چڑانا تصور کرتا ہوں۔ اگر میری اس صاف گوئی کو میری کم علمی یا لاعلمی پر محمول کیا جائے تو شعری پابندیوں سے راہِ فرار اختیار کرنے والوں کو کون سی سند عطا کی جائے؟ اربابِ علم و دانش کو اس پہلو پر بھی سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

میں قدیم شعراء کے قائم کردہ کلاسیکی اسلوب کی تقلید کرتا ہوں لیکن بات اپنے عہد کی کرتا ہوں۔ کیوں کہ ہمارے قدیم شعراء بھی اپنے اپنے عہد کے نمائندہ تھے۔ میں بھی اپنے عہد کی نمائندگی کرتا ہوں۔ ان کے دور میں جیسے سماجی، معاشرتی اور سیاسی حالات تھے اسی تناظر میں انہوں نے ادب پارے تخلیق کئے اور ہم تک پہنچائے۔ آج ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں اور جن سماجی و سیاسی حالات سے ہمارا واسطہ ہے ان کی کماحقہٗ تصویر ادب پاروں کے ذریعہ آنے والی نسل کو دکھانا ہمارا بھی ادبی فریضہ ہے۔

اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں اپنے دور کے حادثات و سانحات سے متاثر نہیں ہوتے ہیں یا ہمارے دور میں نت نئے رونما ہونے والے سانحات و حادثات ہماری حسّیت پر اثر انداز نہیں ہوتے ہیں تو ہماری اس بے حسی پر آنے والی نسل ماتم کناں

ہوگی۔

اردو میں شاعری کی ابتدا ہر شاعر عموماً غزل سے کرتا ہے۔ میری بھی طبیعت اسی صنفِ سخن کی طرف مائل ہوئی۔ البتہ کبھی کبھار نظم بھی کہہ لیا کرتا تھا۔ اس مجموعہ میں ۱۹۷۲ء سے ۲۰۱۶ء تک کی نظمیں شامل ہیں۔ ان چار دہائیوں میں کتنا لکھنا چاہئے تھا لیکن لکھا کتنا اس کا اندازہ آپ خود لگا لیں۔

۱۹۹۹ء کے اوائل میں کشن گنج کے دیہی علاقے میں کہیں سے ایک قادیانی آ گیا اور انتہائی خاموشی کے ساتھ اپنے دینِ زندیقہ کا زہر اَن پڑھ لوگوں اور بچوں کے ذہن میں گھولنے لگا۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ اس کے دامِ فریب میں آ گئے اور اپنا دینِ برحق چھوڑ کر مرتد بھی ہو گئے۔ شدہ شدہ یہ بات جب طشت از بام ہوئی تو پورے علاقے میں ایک کہرام سا برپا ہو گیا اور اس سانپ کا سر کچلنے کے لئے پہلے جمیعت العلماء پھر امارتِ شرعیہ حرکت میں آئی اور ''تحفظِ ختمِ رسالت'' کے عنوان سے جلسوں کا انعقاد کیا گیا۔ میں نے قادیانیت سے متعلق کتابوں کا مطالعہ کیا تو ختم رسالت کے تعلق سے قادیانیوں کے عقائد کا انکشاف ہوا۔ اسی تناظر میں ایک نظم بعنوان ''فتنۂ قادیانیت'' لکھی۔ وہ نظم امارتِ شرعیہ کے لوہا گاڑا کے اجلاس میں پڑھی گئی۔ اس کے بعد ہی ۱۹۹۹ء میں، میں نے تہیہ کر لیا کہ اس سال صرف نظمیں ہی لکھوں گا۔ چنانچہ اس مجموعہ کی مشمولات میں بیشتر نظمیں اسی سال کی یادگار ہیں۔

نظموں میں حتی الامکان مروجہ الفاظ بروئے کار لائے گئے ہیں۔ متروکات اور غیر مانوس الفاظ سے اجتناب کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم کچھ متروکات جیسے کیجیو، دیکھیو وغیرہ برت لئے گئے ہیں۔ ایسے الفاظ متروکات میں شامل تو ضرور ہیں لیکن شجرِ ممنوعہ نہیں ہیں اس لئے کہ ان کا استعمال ہمارے قدیم اساتذہ نے کیا ہے اور بار بار کیا ہے۔ لہذا اساتذہ کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ ہمارے نزدیک سند کا درجہ رکھتے ہیں

اوران کا آج بھی برمحل استعمال شعر میں حسن پیدا کرتا ہے۔

چند نظموں میں ہندی کے ایسے الفاظ آگئے ہیں جن کا استعمال اردو کی سنجیدہ شاعری میں نہیں ہوتا۔طنزومزاح میں ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی کے الفاظ بھی خوب خوب برتے جاتے ہیں۔ خاکسار نے جن نظموں میں ہندی کے الفاظ برتے ہیں انہیں طنزومزاح کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔

پابندنظم کو اس خصوصیت کا حامل ہونا چاہئے کہ جب قاری اسے پڑھنا شروع کرے تو اس میں وہ اتنا کھو جائے کہ نظم کو ختم کر کے ہی دم لے اور شاعر کا قائم کردہ تاثر اپنے اندر محسوس کرے اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے جب بحر میں سلاست وروانی ہو،لب ولہجہ میں شستگی ہو،عنوان کے لحاظ سے الفاظ میں برجستگی ہو اور شعری جزئیات کا خیال لازمیت کا درجہ رکھتا ہو۔

اگر معاملہ اس کے برعکس ہو کہ قاری کتاب کی طباعت کے حسن سے متاثر ہو کر نظم پڑھنا تو بڑے چاؤ سے شروع کرے لیکن دوچار اشعار کی خواندگی کے بعد ہی اس کی طبیعت اوب جائے ، پڑھنا ترک کردے اور شاعر پر تضیعِ اوقات کا الزام لگا بیٹھے۔یہ کیفیت اس سبب سے پیدا ہوئی کہ نظم کی اساس جس بحر میں رکھی گئی اس کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب عمل میں نہیں آیا ، نہ لب ولہجہ میں کوئی کشش پیدا ہوسکی ، صرف مفہوم کی ترسیل کے خیال سے الفاظ کو توڑ مروڑ کر داخل کردیا گیا۔جبکہ نظم میں بحر اور صحتِ الفاظ نہایت اہم چیزیں ہیں۔ان سے صرفِ نظر کرنا مزاجِ شاعری کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔

دورِ جدید کے خودساختہ استاد شاعروں کا ماننا ہے کہ طویل نظم میں بحر،صحتِ الفاظ اور دیگر فنّی تقاضوں کی پابندی ضروری نہیں۔الفاظ کو جیسے تیسے عنوان کی رعایت سے داخل کردینا ہی کمالِ شاعری ہے۔ایسے اساتذہ کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر

پابندنظم میں صحتِ الفاظ کی پابندی ضروری نہیں تو ایک دن میں سو اشعار کی اُبکائی کرنا کون سا فرض ہے؟

اردو زبان وادب کی تاریخ میں طویل نظموں کی داستان اتنی طویل ہے کہ اس کا مختصر خاکہ ہی پیش کیا جائے تو مضمون کی طوالت ساری حدوں کو پھلانگ جائے گی۔ تاہم اتنا تو بہرحال کہا جاسکتا ہے کہ قدیم اساتذہ کی طویل نظموں میں کہیں بحر اور صحتِ الفاظ سے کھلواڑ کی مثال نہیں ملتی۔بلکہ انہوں نے الفاظ کو اتنا چھان پھٹک کر استعمال کیا کہ ان کے استعمال شدہ الفاظ مستند مانے جاتے ہیں۔

اساتذہ کے یہاں صرف ''الف وصل'' کی سند ملتی ہے۔لیکن ہمارے یہاں کے نام نہاد استاد ہائے حطّی ، ہائے ہوّز'' حتیٰ کہ ''عین وصل'' بھی بلاتکلف استعمال فرماتے ہیں۔اتنا ہی نہیں جس لفظ کے آخر میں عین آتا ہے جیسے ''شروع، شفیع، اجتماع'' وغیرہ ایسے الفاظ کا عین حذف کردینا لازمی سمجھتے ہیں۔شاید حضرتِ استاد کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح ''واوٗ معدولہ'' اور ''نون غنّہ'' صرف لکھنے میں آتے ہیں تقطیع میں نہیں آتے ''عین'' بھی اسی دائرے میں آتا ہے ۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے دورِ جدید کے استاد نے کسی استادِ فن کے روبرو اپنا زانوئے ادب تہہ کیا نہیں۔اپنے شہر کے قوالوں کی لے پر وجد میں آکر تھرکنے لگے اور شعر کی قئے کرنے لگے۔اتنی تیز رفتاری سے اشعار کی قئے کی کہ پچاس ساٹھ مہینوں میں ہی پچاس ساٹھ ہزار اشعار کے مالک بن گئے اور بہ زعمِ خود سمجھ بیٹھے کہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا''۔لیکن جنابِ عالی کو یہ بھی درک نہ ہوا کہ لفظ ''ادبی'' کا صحیح تلفظ کیا ہے اور اس کا قافیہ ''معنوی'' یا ''غزنوی'' روا کیسے ہوسکتا ہے۔اور ''تصاویر'' کا

ہم وزن لفظ مناظر کیسے ہوسکتا ہوئ۔ یہ تو صرف ایک مثال ہے۔ اگر استاد کے کلامِ بلاغت نظام میں اغلاط کی تلاش کی جائے تو اتنے دستیاب ہو جائیں گے کہ ان کا شمار مشکل ہو جائے۔

اہم نکتہ یہ ہے کہ ایسے استادِفن شاعری سے بالکل دلچسپی نہیں رکھتے۔ ہاں گانے بجانے اور الفاظ کی ''اٹھّا گوٹی'' سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اس دلچسپی نے ان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ کیوں کہ گانے ہی کی بدولت ایسے لوگوں کو سیاسی بیساکھی دستیاب ہو بھی جاتی ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے شہرت کے چوتھے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں اور وہیں سے آسمانی شاعری شروع ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے ایسی شاعری زمینی حقائق سے کچھ لینا دینا نہیں رکھتی۔

یہ ایسے استادِ وقت کی شاعری کے لئے چند اشارے ہیں کہ جن کی بنیاد پر آنے والا کوئی محقق، اگر وہ ناقد اور فن کا واقف کار بھی ہوا تو ان کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کرے گا اور آہنگ کی میزان پر تول کر کھرے کھوٹے کو الگ کر سکے گا اور غچّہ نہ کھائے گا۔

قدیم دربھنگہ کی سرزمین نے اَن گنت عظیم شخصیتوں کو جنم دیا جنہوں نے علمی، ادبی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور شعبۂ حیات کے مختلف میدانوں میں نمایاں کارنامے انجام دے کر دنیا سے رخصت ہوگئے اور جو باحیات ہیں انجام دے رہے ہیں۔ میں انہیں عقیدت واحترام نذر کرنا چاہوں گا۔ مثلاً مولانا عبدالعلیم آسیؔ، مولانا محمد عثمانؔ، مولانا مجاہدالاسلامؔ، بیرسٹر محمد شفیعؔ، بیرسٹر مطیع الرحمٰن، ڈاکٹر ایس ایم نوابؔ، شاداںؔ فاروقی، منظرؔ کاظمی، لطف الرحمٰنؔ، احسان دربھنگویؔ، محسنؔ دربھنگوی، اخترؔ توکلی، حسنین سیدؔ، مجازؔ نوری، ظہیر ناشادؔ دربھنگوی، مہرؔ شکروی، مظہرؔ امام، حسن امام دردؔ، منصور عمرؔ، مفتی اشرف عباسؔ، علی اشرف فاطمی، عبدالباری صدیقیؔ، اویس احمد دوراںؔ،

پروفیسر ظفر حبیبؔ، ڈاکٹر مشتاق احمدؔ، ذکی احمدؔ ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی، ڈاکٹر افسرؔ کاظمی، ڈاکٹر محمد کاظمؔ، ڈاکٹر ابوبکر عبادؔ، ڈاکٹر غیاث الدینؔ، جاوید رحمانیؔ، خلیق الزماں نصرتؔ، انورؔ آفاقی، شاکر خلیقؔ، برکتؔ سمیلوی، ڈاکٹر عبدالوہابؔ، ڈاکٹر اجیر الحقؔ، ڈاکٹر محمد اعظمؔ، انوار کریم توکلیؔ، منور سلطان ندویؔ، قاصرؔ مکرم پوری، خالدؔ عبادی، رہبرؔ چندن پٹوی، صباؔ دربھنگوی، مشتاقؔ دربھنگوی وغیرہ یہ وہ متھلانچل کے انوارِ درخشاں ہیں جن کے علمی، ادبی اور سیاسی کارناموں کو یہاں کی تاریخ کے صفحات پر سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔

لیکن اب اسی دربھنگہ کی حرماں نصیبی یہ ہے کہ یہاں کے ادب نواز اور سخن طراز اب صرف اپنے ''ہم نقطہ'' کو پہچانتے ہیں یا اپنے ہمنواؤں کو۔ اس کے علاوہ نہ وہ کسی کو سراہتے ہیں اور نہ سراہنے والے کو پسند کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

ڈاکٹر افسرؔ کاظمی کا آبائی وطن دربھنگہ ہی ہے، اسی مناسبت سے وہ یہاں کے ادبی منظر ناموں اور ادبی چہروں کو قریب سے جانتے ہیں اور کون کیا ہے اور کتنے پانی میں ہے اس کی واقفیت بھی موصوف کو خوب ہے۔

کاظمی صاحب سے سہواً یا قصداً یہ چوک ہوگئی کہ وہ اپنے رفقاء سے مشورہ لئے بغیر میری کتاب ''ساحل بولتا ہے'' پر ایک مضمون لکھ بیٹھے اور اس مضمون میں وہ، یہ بھی لکھ گئے کہ ''دربھنگہ میں کچھ لوگ اپنے آپ کو اردو ادب کا شیر کہلانا چاہتے ہیں جب کہ سچائی یہ ہے کہ وہ شیر تو دور گیدڑ بھی کہلانے کے لائق نہیں ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جو اعزازی کتابوں کو فروخت کر کے پیسے کمانا اپنا شرعی حق سمجھتے ہیں''۔

اس مضمون میں اعزازی کتابوں کی فروختگی کا معاملہ جس ادبی شیر کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ بہرکیف! کاظمی صاحب کا وہ مضمون کئی

اخبارات میں شائع ہوگیا پھر ایسے مضمون کی اشاعت جس میں مجھے یا میری کتاب کو سراہا گیا ہو، بھلا دربھنگہ کے کسی دوسرے ''ادبی شیروں'' کو کیسے گوارا ہوتا؟ چنانچہ ایک نے فون پر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کاظمی صاحب سے شکایت کی کہ ''رفیق انجم تو کوئی شاعر وائر ہے نہیں کہ اس کی کتاب پر قلم اٹھا کر آپ نے اپنا ادبی قد چھوٹا کرلیا۔ آپ کو لکھنا ہی تھا تو میری کتاب پر لکھتے''۔ اس کے جواب میں کاظمی صاحب نے جو پھٹکار لگائی اسے لکھنا مناسب نہیں۔ مجھے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ دربھنگہ کی موجودہ ادبی فضا میں جو تعفن پھیلایا جارہا ہے اس پر اہلِ نظر اپنی نظر جمائے رکھیں۔

ایسا ادبی شیر جس کے سر میں شہرت کا سودا سمایا ہوا ہو وہ تو صرف اپنی تشہیر چاہے گا۔ اس کی دلی خواہش اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لوگ اس کی امامت کی اعظمیت کو قبول کریں۔ حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اہلِ دانش اسے مقتدی کی صف میں بھی کھڑا دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں۔

دربھنگہ شہر کا اردو حلقہ مختلف گروہ میں منقسم ہے اور ہر گروہ کا دعویٰ ہے کہ وہی اردو کی ترویج وترقی کا حق ادا کررہا ہے اور صرف اسی کے دم سے یہاں اردو زندہ ہے ناچیز کا تعلق دربھنگہ کے دیہی علاقہ سے ہے۔ بسلسلۂ ملازمت شہر کی سڑکوں پر بھاگ دوڑ کرتا نظر آتا ہوں۔ اس لئے میرے گلے میں کسی گروہ کا طغریٰ نہیں اور اسے صحیح مانتا بھی نہیں ہوں کہ کسی بیساکھی کے سہارے سستی اور وقتی شہرت سے بہتر گمنامی کی زندگی ہے۔ کسی کو یقین آئے یا نہ آئے سچ یہی ہے کہ میں اپنے دلی جذبات وکیفیات کے اظہار کے لئے شاعری کرتا ہوں، حصولِ شہرت یا حصولِ زر کے لئے نہیں۔ وہ یہ جانتا ہوں۔ ع

خدا کی دین ہے انسان کا مشہور ہوجانا

بہرکیف! ''منور افکار'' کی اشاعت میں جن خلوص کاروں نے جس نہج سے

بھی معاونت فرمائی ان تمام حضرات کا صمیمِ قلب سے ممنون ومشکور ہوں۔ خاص طور سے اردو ڈائرکٹوریٹ کے عہدہ داران حضرات کا۔ ان کے علاوہ پروفیسر ظفر حبیبؔ، ڈاکٹر مشتاق احمد، انجنیئر عمر فاروق رحمانی، پروفیسر سہیل اختر، افضلؔ سمیلوی، جناب نیاز احمد، مشتاق شمسی، ڈاکٹر محمد رحمت اللہ، ندا عارفی، احسان مکرمپوری، ڈاکٹر نذیر انجم، فردوس علی، عرفان احمد پیدل، محمد کونین، ڈاکٹر برکت علی، قاری نذر الاسلام، شرف الاسلام (عنبر بابو)، خون چندن پٹوی، انام الحق بیدار، عزیر احمد، محمد نعیم الدین، منظر سلیمان، حاجی محمد ادریس صاحبان کا جنھوں نے کتاب کے حوالے سے اپنی نیک خواہشات کا اظہار فرمایا اور خاکسار کو دعاؤں سے نوازا۔ میں شکر گزار ہوں ڈاکٹر خالد محمود کا بھی کہ جنھوں نے اس مجموعہ کی ترتیب میں اپنا دستِ تعاون میری جانب دراز کیا۔ اللہ انہیں ترقی درجات سے نوازے اور مزید علمی خدمات کے مواقع عنایت فرمائے۔

قارئینِ کرام! آخر میں اپنے استاد محترم احمد حسین شمسؔ بمن گرامی کے ایک مکتوب کو بطور یادگار گاہے گاہے بازخوانی کے مقصد سے اپنی کتاب میں محفوظ کررہا ہوں۔

میں اور علی امام بھائی (جو مشہور افسانہ نگار ہیں) دونوں آدمی حضرت شمسؔ کے جگر گوشہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ہم دونوں کو ہمیشہ اپنے قریب دیکھنا چاہتے تھے لیکن حالات نے کچھ ایسی کروٹ بدلی کہ ہمیں کشن گنج کو خیرباد کہنے پر مجبور ہوجانا پڑا۔ علی امام بھائی معزز سرکاری عہدہ پر فائز ہونے کے لئے پٹنہ چلے گئے اور میری وابستگی کشن گنج ضلع کے بہادر گنج کی ایک مسجد سے ہوگئی۔ لیکن کشن گنج سے علاحدگی کے باوجود خط وکتابت کے ذریعہ میں حضرت شمسؔ سے رابطے میں رہا۔ میرے ہی ایک خط کے جواب میں آپ کی جو تحریر موصول ہوئی اسے من وعن درج کررہا ہوں۔

ملاحظہ فرمائیں۔

عزیز دل نواز
رفیق انجم

خوش باش دے کہ زندگانی ایں است۔

آپ کا ایک دستی خط ملا۔ خیریت معلوم ہوئی بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کا جی وہاں (بہادر گنج میں) لگ رہا ہے۔ خدا آپ کو دن دونی رات چوگنی ترقی دے۔

''اور درویش کی صدا کیا ہے''۔

آپ لوگوں کے جانے کے بعد طبیعت بجھی بجھی سی رہنے لگی ہے۔ غالبؔ کا ایک مصرع بار بار یاد آنے لگا۔ ع

اب میں ہوں اور ماتم یک شہر آرزو

اسی کو بنیاد مان کر ایک قطعہ لکھا ہے۔ آپ بھی سن لیں۔

''انجمؔ گئے امامؔ گئے مجھ کو چھوڑ کر
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہر آرزو''
ہمدرد بے کسی ہے تو غمخوار بے بسی
اک آئینہ ہے وہ بھی شکستہ ہے روبرو
انسانیت کی دید کو آنکھیں ترس گئیں
حیوانیت حریف سیاست چہار سو
کیوں کر پڑھوں نماز مصلائے اشک پر
کب تک جگر کے خون سے کرتا رہوں وضو
کانٹوں کی زد پہ یوں تو کٹی ہے تمام عمر
لیکن نہ پیرہن کو ہوئی حاجتِ رفو
مردانہ وار وقت سے لڑتا رہا ہوں میں

پتھر کے دل کو چیر کے لایا ہوں آب جو
لیکن اب اس چمن کو خزاں چاٹنے لگی
خطرے میں گھر گئی مری صحت کی آبرو
کس کو سناؤں کون سنے داستان گل
کس سے مرے سخن کو ملے داد رنگ و بو
یوں اپنے شہر میں شعراء کی کمی نہیں
لیکن وہ ایسے کھیت ہیں جن میں نمی نہیں''

اور کل خیریت ہے۔ امید کہ آپ بھی بخیر وعافیت ہوں گے۔ خط سے برابر نوازتے رہئے۔

آپ کی ترقی کا طالب
دعا گو
احمد حسین شمسؔ
11.09.82

استاد کو خراجِ عقیدت بہ احترام
قرآن کی فضیلت وبرکت بہ احترام
کرتا ہوں پیش اپنی تلاوت بہ احترام
اللہ کر عطا انہیں جنت بہ احترام
شاہِ اممؑ کے ذکر کا چسکا کمال تھا
رحمت پہ تیری ان کو بھروسا کمال تھا

رفیق انجم
بتھیا، دربھنگہ (بہار)
استاد، اینجل ہائی اسکول، بھیگو، دربھنگہ

دعاء

الٰہی تو ہی رب ہے انس وجاں کا
تو ہی خالق ہے اس کون ومکاں کا
سفر دشوار راہیں پُر خطر ہیں
نگہباں ہے تو ہی اس کارواں کا

لاالٰہ الا اللہ

مجال ہے یہ کسے لاالٰہ الااللہ
جھکا سکے جو تجھے لاالٰہ الااللہ

قلم کا لاکھ دھنی ہو مگر ہے ناممکن
ترا مقام لکھے لاالٰہ الااللہ

وہ حق نواز جسے ڈالا جائے شعلوں میں
محافظت میں رکھے لاالٰہ الااللہ

بھنور میں کشتی ایمان ڈگمگانے لگے
تو ناخدائی کرے لاالٰہ لاالٰہ الااللہ

دعاء ہے مالک کونین سے بوقت مرگ
زباں پہ میری رہے لاالٰہ الااللہ

جنازہ جس گھڑی اٹھے مرا مرے گھر سے
ہر ایک شخص پڑھے لاالٰہ الااللہ

توہمات کے اصنام توڑدے انجم
کہ جسم و جاں میں بسے لاالٰہ الااللہ

صلِّ علیٰ محمد

دیوارِ شک گرادی صلِ علیٰ محمدؐ
کنکر نے دی گواہی صلِ علیٰ محمدؐ

آلام کے بھنور میں کشتی پھنسی ہوئی ہے
اب کیجیے ناخدائی صلِ علیٰ محمدؐ

☆

اک زندہ معجزہ ہے صلِ علیٰ محمدؐ
مہتاب شق ہوا ہے صلِ علیٰ محمدؐ

رتبے میں اُن کا ہمسر کوئی نہیں ہے انجم
اللہ کہہ رہا ہے صلِ علیٰ محمدؐ

☆☆

نعتِ پاک

بیشک تمہیں جہان میں خیرالانام ہو
پیارے رسولؐ تم پہ درودوسلام ہو

یہ مرتبہ کسی کو میسر نہ ہو سکا
سارے پیامبر کے تمہیں صرف امام ہو

مال ومتاعِ دہر کی چاہت نہیں اسے
سلطانِ کائناتؐ کا جو بھی غلام ہو

ہو جائے میری روضۂ اقدس پہ حاضری
اک دن کے واسطے بھی مدینہ قیام ہو

اس میکدے کی شان بڑھے اور روز روز
عشقِ حبیبِ پاکؐ کا ہاتھوں میں جام ہو

ہے التجائے قلب یہی تا دمِ حیات
محفوظ میرے دل میں خدا کا کلام ہو

انجم یہی ہے ایک ذریعہ نجات کا
ذکرِ نبیؐ زباں پہ تری صبح وشام ہو

اعجازِ قرآن

قرآن وہ کتاب کہ جس کا نہیں جواب
برپا ہوا زمانے میں اس سے ہی انقلاب
جس قوم کا شعار جدال وقتال تھا
اس کے طفیل ہوگئی تہذیب یافتہ
دنیا سے ہر کتاب کا ہو خاتمہ اگر
قرآن پہلے آئے گا لوحِ جہان پر
نازل ہوئے جہاں میں صحیفے تو یوں کئی
لیکن ہے اپنی شکل میں قائم نہیں کوئی
تحریر ان کتابوں کی کہتی ہے آج بھی
تحریف کا تو سلسلہ جاری ہے آج بھی
اعجاز ہے کلامِ الٰہی کا دوستو
برسا نہ اس پہ ابر تباہی کا دوستو
معمورۂ حیات سے ناپیدگی محال
نگراں کلامِ پاک کا خود ربِّ ذوالجلال

تحریک گو کہ پہلے ہی دن سے چلی مگر
تبدیل ہو نہ پایا کوئی زیر یا زبر
اس کا بدل نہیں ہے زمیں آسمان میں
یہ آخری کتابِ خدا ہے جہان میں
قرآں میں شائبات کا امکان ہی نہیں
اس میں تغیرات کا امکان ہی نہیں
جب سے نبیؐ پاک پہ نازل کیا گیا!
سینوں میں حرف حرف مسلمان کے رہا
جاری رہے گا تا بہ ابد یہ تو سلسلہ
جادو چلے گا دشمنِ دینِ متیں کا کیا
اس کا حصول مژدۂ جنت ہے سر بہ سر
قرآن حفظ کرنا کرامت ہے سربہ سر
روزِ جزا رہیں گے بہت سرخرو مزاج
حافظ کے والدین کے سرپر رہے گا تاج
دس آدمی وہ جن کی کرے گا سفارشات
ان کو ملے گا حشر میں پروانۂ نجات

حافظ کو حکم ہوگا کہ پڑھتے ہوئے بڑھو
دھیمی رکھو زبان قدم تیز تر رکھو

آغاز ہو جہاں سے جہاں اختتام ہو
وہ خلد کا علاقہ تمہارے ہی نام ہو

یہ سرفرازیاں بھلا کیوں کر نہ ہوں عطا
اللہ کے کلام کو ازبر جو کرلیا

☆☆

حضورؐ کا سفرِ طائف

میرے لئے ہے درسِ عقیدت لئے ہوئے
یہ واقعہ نمونۂ رحمت لئے ہوئے

مکّہ کے اہلِ شر کی شرارت سے ہو کے تنگ
جن کے تھے قلب مہرِ ضلالت لئے ہوئے

سوچا نبیٔ پاکؐ نے طائف ذرا چلوں
ہمراہ اپنے مصحفِ دعوت لئے ہوئے

شاید وہاں کے لوگ مری بات مان لیں
لوٹوں تو دل میں فرطِ مسرت لئے ہوئے

یہ سوچ کر وہاں گئے سردارِ انبیاءؐ
تبلیغِ دیں کی شمعِ ہدایت لئے ہوئے

طائف کے باسیوں کو کیا اس طرح خطاب
ہوں درمیاں تمہارے شریعت لئے ہوئے

آئے گا میرے بعد نہ اب کوئی بھی نبی
میں ہوں دلیلِ ختمِ نبوت لئے ہوئے

میں کہہ رہا ہوں جو اسے دل سے کروقبول
آیا ہوں اس جہاں میں بشارت لئے ہوئے

خود ساختہ بتوں کی پرستش کو چھوڑ دو
وہ سب تمہارے حق میں ہیں ذلت لئے ہوئے

اوپر سے اپنے مکھّی اڑا پاتے بھی نہیں
یہ تو کہو وہ کچھ بھی ہیں طاقت لئے ہوئے

اتنی حقیر چیز کو معبود مان کر
یکسر ہو اپنے حق میں مصیبت لئے ہوئے

ایمان لاؤ میری رسالت پہ مردوزن
دارین کی رہوگے سعادت لئے ہوئے

اللہ ایک ہے یہی پیغام ہے مرا
اس کی ہی ذاتِ پاک ہے قدرت لئے ہوئے

اب صرف اسی کے سامنے سر کو جھکاؤ تم
دائم رہوگے راحتِ جنت لئے ہوئے

دوزخ مقام ورنہ ہمیشہ رہے گا جب
دنیا سے جاؤگے جو یہ حالت لئے ہوئے

سنتے ہی یہ پیامِ نبیؐ کھلبلی مچی
ہر کوئی اٹھا تیغِ حقارت لئے ہوئے

چاروں طرف سے گھیر لیا نورِ دہرؐ کو
تھا فرد فرد شعلۂ نفرت لئے ہوئے

اٹھّے شریر لڑکے رئیسوں کے حکم سے
ہاتھوں میں اپنے سنگِ اذیت لئے ہوئے

برسات پتھروں کی ہوئی وہ کہ الاماں
سلطانِ دیںؐ تھے وقتِ مصیبت لئے ہوئے

زخموں سے جسمِ پاکؐ میں ایک ارتعاش تھا
پھر بھی شریر تھے وہی نخوت لئے ہوئے

اڑکر کوئی ہوا گئی ایک آسمان تک
اس حادثے کا عکسِ حقیقت لئے ہوئے

گردوں پہ زلزلے کا سماں ہوگیا بپا
گویا تھا وقت گرمیٔ آفت لئے ہوئے

روح الامینؑ آئے امامِ رسلؐ کے پاس
ربِ جہاں سے اذنِ صراحت لئے ہوئے

بولےؑ کہ ایک جنبشِ ابرو سے آپؐ کی
بس دوسرا ہی پل ہو قیامت لئے ہوئے

تاخیر حکم کی ہے وہ ہو جائے تو ابھی
آمد ہے میری سب کی ہلاکت لئے ہوئے

ٹکرا کے دو پہاڑوں کو طائف کو پیس دوں
آیا ہوں سمتِ رب سے وہ طاقت لئے ہوئے

شاہِ اممؐ کے خُلق پہ قربان جایئے
اس پر بھی تھے خزینۂ راحت لئے ہوئے

فرمایا ان کے حق میں کروں گا نہ بددعا
میں ہوں جہاں میں تمغۂ رحمت لئے ہوئے

پہچان میری ہو نہ سکی یہ ہے سچ مگر
ممکن ہے کل کو پرچمِ دعوت لئے ہوئے

اس عرصۂ حیات میں پھیلے وہ چار سو
اولاد ان کی دین کی عظمت لئے ہوئے

کچھ خطہ ہائے ارض پہ طائف کا فیض ہے
اسلام کی ہیں آج وہ نعمت لئے ہوئے

جس نے کہ درسِ عفو دیا ہے جہان کو
اس رحمتِ تمام پہ لاکھوں سلام ہو

☆☆

رسولِ آخرؐ کا خطبۂ آخری

مکّہ کی فتح ہوتے ہی منظر بدل گیا
تنویرِ دینِ حق سے عرب جگمگا اٹھا
جتنی رکاوٹیں تھیں سبھی دور ہو گئیں
کالی گھٹائیں جنگ کی کافور ہوگئیں
باطل پرست جو بھی تھے زیروزبر ہوئے
جو مشتعل مزاج تھے مغلوب ہوگئے
ہر گوشۂ عرب میں ہدایت کا نور تھا
اسلام کی ضیاء کا بہر سو وفور تھا
دس سال کی جو مدتِ ہجرت گزر گئی
فرماتے ہیں ارادۂ حج خاتم النبیؐ
جب اس سے باخبر ہوئے اصحابِ با صفا
حج کا ارادہ رکھتے ہیں سردارِ انبیاءؐ
سوچا سبھوں نے دل میں سعادت نصیب ہو
دورانِ حج بھی ساعتِ قربت نصیب ہو

پروانۂ چراغِ رسالت تھے سب کے سب
دیوانہ وار کھنچ کے چلے آئے سب کے سب
اس سال چوں کہ شافعِ محشرؐ شریک تھے
اصحاب حج میں لاکھ سے اوپر شریک تھے
پورے ہوئے مناسکِ حج تو حضورؐ نے
خطبہ دیا صحابۂ اکرم کے سامنے
حمدِ خدائے پاک کے بعد آپؐ نے کہا
اے حاضرین غور سے باتیں سنو ذرا
ممکن ہے اس زمیں پہ کبھی بعد آج کے
تم سے خطاب کرنے کا موقع نہ مل سکے
تکمیلِ دیں کی آیتِ قرآں اتر چکی
اس میں کمی نہ بیشی کی حاجت کوئی رہی
اس واسطے ہی آخری خطبہ اسے کہو
یعنی کہ دینِ حق کا خلاصہ اسے کہو
جو کہنے جا رہا ہوں سنو انہماک سے
اپنی کتابِ زیست پہ لکھتے چلو اسے

جس طرح اس مہینے کی اور اس مقام کی
تحریم ہر کسی کے لئے ٹھہری لازمی
اپنی گرہ میں باندھ لو تعظیم اسی طرح
مومن کی آبرو کی ہو تکریم اسی طرح
ہونا نہ زینہار عداوت میں مبتلا
تم لوگ میرے بعد ضلالت میں مبتلا
رکھنا دل ودماغ میں میرا پیام ہے
عشّاقِ دیں کا خون بہانا حرام ہے
ہر آن ہر مقام پہ جان اس پہ وارنا
لوگو! تم اپنے بھائی کی گردن نہ مارنا
اعمال میں خلوص مسلماں کا ہو شعار
اپنی صفوں میں ڈالنا ہرگز نہ انتشار
ہنگامِ رنج اور مسرت میں اتحاد
قائم رہے مدام جماعت میں اتحاد
جتنے بھی لوگ صاحبِ ایماں ہیں جان لو
باہم وہ بھائی بھائی مسلماں ہیں جان لو

کرنا نہ امتیاز کسی بیش وکم میں کچھ
تمئیز کیجیئو نہ عرب اور عجم میں کچھ
کالے میں اور گورے میں تفریق بھی نہ ہو
اس کی تمہارے قول سے تصدیق بھی نہ ہو
اولاد تم ہو آدمؑ وحواؑ کی سب کے سب
اپنے نسب پہ فخر سراسر ہے بے سبب
آدم بنے تھے خاک سے لوگو اسی لئے
خاکی ہمیشہ جانیو خود کو اسی لئے
نفرت کی اور بغض وعداوت کی رسم کو
میں روندتا ہوں دورِ جہالت کی رسم کو
جس طرح عورتوں پہ اطاعت ہے لازمی
تم پر بھی ان کے حق کی حفاظت ہے لازمی
معمورۂ حیات میں عزت کرو سدا
ان کے معاملے میں خدا سے ڈرو سدا
عمرِ رواں کا کیجیئو اپنی خود احتساب
ہوگا ہر ایک پل کا بروزِ جزا حساب

ہرگز روا نہیں ہے کہ لو شئے کسی کی بھی
جب تک نہ دے وہ ہاتھ سے اپنے خوشی خوشی
ناپاکیوں سے سود کی یہ غور سے سنو
دامانِ عاقبت کو نہ آلودہ کیجئیو
انسانیت پہ داغ ندامت کا نام ہے
یہ کاروبارِ سود سراسر حرام ہے
پیہم عزیز جانیو اپنے غلام کو
رسوا نہ کیجئیو کبھی ان کے مقام کو
ان کے لئے وہی کرو جو خود کرو پسند
ایسے عمل سے ہوگے قیامت میں سر بلند
اخلاص کا تمہارے سدا انعکاس ہو
اپنا ہو جیسا بس وہی ان کا لباس ہو
کردیجئیو معاف گنہگار ہوں اگر
از بس کہ وہ سزا کے روادار ہوں اگر
صدفی صدی درست کہ پتلے خطا کے ہیں
لیکن وہ سب غلام بھی بندے خدا کے ہیں

کرنا نہ بھول کر کبھی زنہار سختیاں
آزاد انہیں کرو یہ ہیں نیکوں کی خوبیاں
ہر حال میں خیالِ جماعت ہے لازمی
اپنے امیر کی بھی اطاعت ہے لازمی
واقف انہیں کرانا جو میں نے کیا بیاں
جو لوگ آنہ پائے کسی وجہ سے یہاں
ممکن ہے یہ کہ خدمتِ دینِ متیں کریں
آئے ہوؤں سے بڑھ کے وہی غائبیں کریں
اے لوگو! آج صفحۂ دل پر اتارلو
اس نسخۂ حیات کو یکسر اتارلو
دو چیزیں ایسی تم کو دئے جا رہا ہوں میں
آبِ بقا حوالے کئے جا رہا ہوں میں
تھامے رہوگے ان کو جو مضبوطیوں کے ساتھ
گمراہیوں کے فتنے سے پا جاؤگے نجات
قرآن ایک ، دوسری سنت مری فقط
طاعت خدا کی اور اطاعت مری فقط

اہلِ جہاں کے واسطے اب صرف اسی میں ہے
تاحشر کامیابی مری پیروی میں ہے
اللہ کی طرف سے ہوں میں آخری نبی
آئے گا میرے بعد نہ اب کوئی بھی نبی
روزوں کا حج کا اور زکوٰتوں کا اہتمام
رکھنا تمام عمر نمازوں کا اہتمام
پھر آپؐ نے سبھوں سے یہ پوچھا ذرا بتاؤ
رکھ کر دلوں پہ ہاتھ برائے خدا بتاؤ
بالفرض یہ اگر ہو سوالِ خدا کہو
کیا دوگے تم جواب بروزِ جزا کہو
احکام جو ملے وہ من وعن سنا دیئے
یا یہ کہ میں نے ان میں گھٹا یا بڑھا دیئے
سب یک زبان ہو کے کہا حاضرین نے
محبوبِ ربؐ سے عاشقِ دینِ متین نے
بے شک ہر ایک آپؐ نے پیغام ہم تلک
پہنچا دیئے خدا کے سب احکام ہم تلک

انگلی رسولِ پاکؐ کی سوئے فلک اٹھی
اور تین بار آپؐ نے فرمایا بس یہی
اے خالقِ جہان ہے میرا گواہ تو
اے سب کا مہربان ہے میرا گواہ تو
اے ربِّ کائنات ہے میرا گواہ تو
ہے میری تیرے قبضۂ قدرت میں آبرو
ہر قول میں جہاں کے لئے راحتِ دوام
لاریب ذات آپؐ کی ہے رحمتِ تمام
کس سے بھلا ہو وصف بیاں سیدالبشر
''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر''

☆☆

صدیقؓ

شبِ اسرا خدا نے رحمتِ عالمؐ کو بلوایا
وہاں سے واپسی پر آپؐ نے جب ذکر فرمایا
خبر پالی کسی صورت سے بوجہلِ لعیں نے بھی
طلوعِ صبح تک اس دشمنِ دینِ متیں نے بھی
جو ہر لمحہ رسولِ پاکؐ کے پیچھے پڑا رہتا
کسی موقعے کو اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا
ضلالت کی سدا ترسیل میں مصروف رہتا تھا
نبیِ پاکؐ کی تذلیل میں مصروف رہتا تھا
بہانا ڈھونڈتا رہتا فقط تحقیر کرنے کا
رسولِ کبریا کی ہر گھڑی تنکیر کرنے کا
نہایت قیمتی ہتھیار پاکر وہ بہت خوش تھا
شبِ معراج کی روداد سن کر وہ بہت خوش تھا
دلِ ملعون میں آیا کہ بس موقع غنیمت ہے
اگر یہ ہاتھ سے جاتا رہا تو مجھ پہ لعنت ہے

خیال آتے ہی اب گھر سے چلا رنجور کرنے کو
صحابہ کو حبیبِ کبریاؐ سے دور کرنے کو
یکا یک ہوگئی بوبکرؓ سے مڈبھیڑ رستے میں
خوشی سے کھل اٹھا چہرہ کہ نکلا کام سستے میں
رفیقِ سیدِ مرسلؐ کو خوش کرنے کی خاطر وہ
کہ تھا شعلہ بیانی میں بڑا مشّاق وشاطر وہ
لگا لفّاظیوں کے فن میں اپنے رنگ بھرنے کو
سرِ راہِ گزر بوبکرؓ کی تعریف کرنے کو
لیاقت سے شرافت سے سخاوت سے صداقت سے
زمانہ خوب واقف ہے تری فہم وفراست سے
تری ہستی محبت میں مروت میں ہے آفاقی
نہیں تیرا کوئی اب تک جہانِ عدل میں ثانی
تری ذاتِ گرامی راحتِ مجبور و بیکس ہے
تری ہر سانس مخلوقِ خدا کی بے بہا اک شئے
ارادہ ہے تجھی سے اک ضروری بات کرنے کا
ترا فہم وتدبر شاملِ حالات کرنے کا

دلِ بیتاب میں پوشیدہ ہے پوری وہ حسرت ہو
کروں اک بات تجھ سے عرض اگر تیری اجازت ہو
کہا صدیق اکبرؓ نے تجھے میری اجازت ہے
جو تیرے دل میں ہے کہہ لے کھلی اس کی اجازت ہے
ملا جب اذن، پھینکا ایک تیر ان کی طرف پہلے
ذرا ناواقفِ حالات کا ردِ عمل جانے
کہا بوبکرؓ سے مانے گا تو کوئی اگر بولے
حرم سے ایک پل میں مسجدِ اقصیٰ کو جا پہنچے
یہ ناممکن ہے ناممکن کہا بوبکرؓ نے سن کر
تخیل کی رسائی سے ہے کوسوں دور بالاتر
جو دیکھا دشمنِ دیں نے نشانہ ٹھیک بیٹھا ہے
شکنجے میں مرے اب تو محمدؐ کا یہ شیدا ہے
نکالے اب تو سارے تیر جتنے پاس تھے اس کے
دلِ صدیقؓ پر یک لخت تابڑ توڑ برسائے
کہا بدبخت نے اے پیکرِ صدق وصفا سن لے
وہ کیا کہتا ہے اس کے بعد کا بھی تذکرہ سن لے

وہ اقصیٰ سے چلا اور تا مقامِ انتہا پہنچا
جہاں جبریلؑ کو بھی پر کے جل جانے کا خطرا تھا
نظر سے اپنی اس نے دوزخ وجنت کو بھی دیکھا!
وہاں انسان کے ہر رنج اور راحت کو بھی دیکھا!
ہوئیں اللہ سے بھی دوبدو کچھ راز کی باتیں!
وہ کہتا ہے مرے حق میں یہ ہیں اعزاز کی باتیں!
وہاں سے لوٹ کر آیا تو دیکھا گرم بستر ہے!
ابھی آبِ وضو ڈھلوان کی جانب سفر پر ہے!
سواری لا مکاں سے تیز اتنی تیز تر آئی
کہ زنجیر اس کو اپنے گھر کی ہلتی ہی نظر آئی
کہا بوبکرؓ نے لگتا ہے شاید تو نشے میں ہے
اگر نشّہ نہیں ہے تو دماغی عارضے میں ہے
خیالِ واہمہ سے بھی مسلماں پاک داماں ہے
مگر اس بے تکی سے آج میری عقل حیراں ہے

یہ سارے فلسفے یکسر حدِ امکان سے باہر
ہے ناممکن بشر رکھ دے قدم عرشِ بریں جا کر
یقیں جب ہوگیا بوجہل کو یہ دام میں آیا
تو اپنے اصل مقصد کو لبِ ناپاک تک لایا
کہا بوبکرؓ سن لے ، یہ محمدؐ کا ہی کہنا ہے
کہ جس کے اک اشارے پر تو اپنی جاں چھڑکتا ہے
ہے ایسے شخص کو زیبا کرے دعویٰ نبوت کا؟
جہاں میں ہے نہایت مرتبہ اونچا نبوت کا
زباں سے اپنی جو ہر وقت بے پرکی اڑاتا ہو
بھلا اس آدمی کی بات پر کیوں کر بھروسا ہو
کہا صدیق اکبرؓ نے، کہ بس خاموش اے بدبیں!
محمدؐ نے کہا ہے تو وہ میری روح کی تسکیں
زمیں سے آسماں تک پرتوِ ذاتِ محمدؐ ہے
مکاں سے لامکاں تک پرتوِ ذاتِ محمدؐ ہے

کہوں یہ کیوں کہ ان سے جا کے میں تحقیق کرتا ہوں
کہا ہے جب محمدؐ نے تو میں تصدیق کرتا ہوں
کبھی دیکھا انہیں لہو ولعب کی سمت جاتے بھی
کسی نے بھی سنا ہے زندگی میں جھوٹ کہتے بھی
میں تجھ سے پوچھتا ہوں اے ابوجہل اتنا بتلا دے
دیا ہے کس کو ''صادق'' کا لقب خود اہلِ مکہ نے
محمدؐ کی کہی ہر بات پر ایمان رکھتا ہوں
بِنا دیکھے خدا کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں
وہ خود کو پارہا تھا کامیابی کی بلندی پر
ضلالت کا پیمبر آگرا تیورا کے دھرتی پر
توقع تھی بہت بوبکرؓ سے تائید ملنے کی
مگر اس کی امیدوں پر سراسر پھر گیا پانی
اُدھر ماتم بپا تھا سینۂ کذبِ مجسم میں
اِدھر بوبکرؓ پہنچے خدمتِ شاہِ دوعالمؐ میں

انہیں دیکھا نبیؐ پاکؐ نے ارشاد فرمایا

کہ اے بوبکرؓ اب تونے لقب ''صدیق'' کا پایا

مقام ان کا بیاں کیا تجھ سے ہو، تا زندگی انجؔم

امام الانبیاء جن کے ہوئے ہیں مقتدی انجؔم

☆☆

پیراہن

خطبے کے لئے حضرتِ فاروق جب اٹھے

جو عدل ومساوات میں اک ضرب مثل تھے

مسجد میں بہت سارے مسلمان تھے موجود

احکامِ شریعت کے نگہبان تھے موجود

سب جانتے تھے حضرتِ فاروقؓ کا رتبہ

لیکن یہ سوال ایک صحابی نے اٹھایا

اس بات کی جب تک کہ وضاحت نہ کریں گے

ہم آپ کی تسلیم خطابت نہ کریں گے

چادر کہ جو اس بار مسلماں میں بٹی ہے

ہر خرد وکلاں کو وہ بس ایک ایک ملی ہے

جب ایک تھی حصے میں ہر اک چھوٹے بڑے کے

خود آپ بھی حقدار اسی ایک کے ٹھہرے

یہ بات مگر فہم سے ادراک سے باہر
قد آپ کا لمبا ہے وہ کوتاہ تھی چادر
آتا ہے نظر آپ کے تن پر جو یہ کُرتا
یہ ایک ہی چادر کا بنا ہو نہیں سکتا
کھلنے لگیں اللہ کے بندوں کی زبانیں
منگوالی ہیں اپنے لئے دو چار ردائیں
جب خود ہی خلیفہ سے ہو مجروح دیانت
کس طرح بھلا لوگ کریں ان کی اطاعت
للہ مسلمان کے شبہات مٹائیں
کرتا یہ بنا آپ کا کس طرح بتائیں
دل میں نہ خلافت کی رعونت کا اثر تھا
چہرے پہ اداسی نہ خجالت کا اثر تھا
ہر گام پہ ایماں کی حرارت کا اثر تھا
یہ سرورِ کونینؐ کی صحبت کا اثر تھا

ان مردِ حق آگاہ کی دو ٹوک کو سن کر
فاروقِ معظمؓ ہوئے مسرور سراسر
موجود تھے جو لوگ کہا ان سے کہ سن لو
یہ بات حقیقت پہ ہے مبنی اسے مانو
جس قوم میں بے باکوں کی بہتات رہے گی
دور اس سے سدا گردشِ حالات رہے گی
پھر میرِ مسلمان متانت سے یہ بولے
ہر کوئی جو موجود ہے اس راز کو جانے
سائل کو اسی وقت حقیقت کی خبر دے
اچھا ہے جواب اس کا مرا نورِ نظر دے
حالات سے آگاہ کیا ابنِ عمرؓ نے
یعنی کہ جواب اس کا دیا ابنِ عمرؓ نے
سائل سے کہا سن لو میں کرتا ہوں وضاحت
کُرتے کی طوالت کے ہے پیچھے یہ صداقت

چادر کہ جو تقسیم ہوئی چھوٹے بڑوں میں
میں بھی ہوا شامل انہیں لوگوں کی صفوں میں
تھا عدل ومساوات کا منشا وتقاضا
ٹھہرایا گیا مجھ کو بھی حقدار ردا کا
محکوم کو اک حاکمِ عابد کو ملی ایک
اک مجھ کو ملی والدِ ماجد کو ملی ایک
محسوس ہوا مجھ کو کہ اچھا نہ بنے گا
والد کا مرے ایک میں کُرتا نہ بنے گا
دل کو نہ ہوا سوچ کہ زنہار گوارا
ہوں ڈھنگ کے کُرتے سے بھی محروم خلیفہ
میں نے ہی انہیں اپنے وہ حصے کی ردا دی
اس کے لئے والد نے مجھے دل سے دعا دی
دو چادروں کا اس لئے پیراہنِ تن ہے
بے خوف کہو دل میں کوئی اب بھی چبھن ہے

سائل نے کہا ہو گئی بس میری تسلی
فرمائیں گے جو آپ وہ منظور مجھے بھی
لاریب کہ ہیں پیکرِ انصاف خلیفہ
تشکیک ہوئی دور یہ احسان خدا کا
کچھ درس لیں اس دورِ مہذب کے سیانے
جو لوٹتے ہیں روز حکومت کے خزانے

☆☆

پروانے

اللہ کے محبوبؐ کی توقیر وعقیدت
اصحابِ معظم کے دلوں میں تھی سرایت
ایثار کا سرمایہ وہ ہر آن چھڑکتے
مہتابِ رسالت پہ دل و جان چھڑکتے
پانی بھی وضو کا کبھی گرتا نہ زمیں پر
ہاتھوں میں اٹھا کر اسے ملتے تھے جبیں پر
اک معرکے میں آپؐ کے دو دانت جو ٹوٹے
دندان اویسؓ اپنے سبھی توڑ لئے تھے
میدانِ احد میں وہ ہر اک تیر عدو کا
خود کھاکے بھی سلطانِ دوعالمؐ کو بچایا
کیا کیا نہ کئے ظلم وستم اہلِ عرب نے
الفت نہ مگر چھین سکے ان کے دلوں سے

گنجینۂ اسلام کے انمول نگینے
دنیائے عقیدت میں عجب چھوڑے نمونے
محبوبِ الٰہی سے محبت کی بدولت
قرآں کے مطابق ہیں سبھی صاحبِ جنّت
بخشا گیا اعزاز انہیں کون ومکاں میں
اللہ رضامند ہوئے دونوں جہاں میں
اک روز کا ہے ذکر شہنشاہِ زمنؐ نے
منجملہ صحابہ سے شہِ کوہ ودمن نے
مسجد میں کہا مل کے ذرا صاحبو بیٹھو
جائے نہ کوئی جو بھی یہاں آئے ہو بیٹھو
سب بیٹھ گئے سننے کو ارشادِ گرامی
رہتے تھے دل و جان سے اس بات پہ راضی
مسجد کے احاطے کو صدا چیر کے نکلی
پروانے کے اک گوش سماعت تلک آئی

جو کاٹ کے جنگل سے ابھی آئے تھے لکڑی
مسجد سے تھے باہر ہی کہ آواز یہ پہنچی
گرمیٔ عقیدت سے نہال ایسے ہوئے وہ
لکڑی کو لئے سر پہ وہیں بیٹھ گئے وہ
ایک اور صحابیؓ جو کسی کام سے پہنچے
یہ دیکھتے ہی ورطۂ حیرت میں وہ ڈوبے
پاس ان کے گئے اور یہ پوچھا کہ بتاؤ
اس طرح یہاں بیٹھے ہوئے کیوں ہو سناؤ
کہنے لگے وہ فرش نشیں بات ہوئی یہ
اے بھائی مرے صورتِ حالات ہوئی یہ
''بیٹھو'' یہ سنا سیدِ مرسلؐ کی زباں سے
میں ایک قدم بھی نہ بڑھا سن کے یہاں سے
کانوں نے مرے حکم سنا بیٹھ گیا ہوں
سرکارؐ کا ارشاد ہوا بیٹھ گیا ہوں

آئے ہوئے ساتھی نے کہا بات ہوئی کچھ
یہ عشق ومحبت کی مدارات ہوئی کچھ
اعلانِ نبیؐ اہلِ جماعت کے لئے تھا
یہ حکم اسی خطۂ راحت کے لئے تھا
وہ تابعِ فرمان ہوئے جو کہ ہیں اندر
مسجد کے احاطے سے مگر تم تو ہو باہر
اس بوجھ کو سر پر لئے بیٹھے ہو ابھی تک
تسکیں کی چلے جاتے اسی چھاؤں گھنی تک
تھا بیٹھنے کا جب کہ ارادہ ہی یہیں پر
گٹھر کو کسی طور سے رکھ دیتے زمیں پر
پروانۂ قندیل رسالت نے کہا سن
کس واسطے دوچار قدم بھی نہ بڑھا سن
آئی تھی مرے ذہن میں یہ بات بھی یکسر
احکام سنوں پیارے نبیؐ کے وہیں چل کر

دروازۂ مسجد کو بھی دیکھا کہ کھلا ہے
لیکن یہ مرے دل نے کہا تجھ کو پتہ ہے
یہ طے نہ ہوئی چشمِ زدن کی تری منزل
آجائے اسی پیچ اگر موت کی منزل
محشر میں خداوند سوال اس کا کرے گا
اعلانِ نبیؐ سن کے بتا کیوں نہیں بیٹھا
اٹھنے سے قدم اچھا برا سوچ لے پہلے
کیا دے گا جواب اس کا ذرا سوچ لے پہلے
پس خوفِ قیامت سے سرمو نہ ہلا میں
لکڑی کے بھی گٹھر کو لئے بیٹھ گیا میں
اس امر پہ کچھ بہرِ خدا غور کریں ہم
کیا حال ہمارا ہے ذرا غور کریں ہم

☆☆

عدل کے پیکر

لکھا یہ حضرتِ فاروقؓ کا مشہور قصہ ہے
ہمارے واسطے جو سر بہ سر نادر نمونہ ہے
ہوئے مامور وہ جس روز سے کارِ خلافت پر
نہ گزری ایک شب ان کی کبھی آرام سے سو کر
یہی معمول ان کا تھا کہ دن کا کام نپٹا کر
نکلتے رات کی تاریکیوں میں شہر کے اندر
مدینے کے گلی کوچوں میں تنہا گشت فرماتے
کہ مخلوقِ خدا کس حال میں ہے جائزہ لیتے
امیرالمومنینؓ اک رات کافی دور جا نکلے
وہاں سے گھر کی جانب آرہے تھے دھیرے ہی دھیرے
معاً اک جھونپڑی سے کان میں ان کے سنائی دی
کئی معصوم بچوں کی صدائے گریہ وزاری

سنی آواز رونے کی قدم آگے نہ بڑھ پائے

وہاں سے اب مسیحائے الم آگے نہ بڑھ پائے

رکے کچھ دیر پھر اس منظرِ جاں سوز کو دیکھا

سبب رونے کا جا کر مادرِ اطفال سے پوچھا

امیرِ وقت کے اصرار پر کھولی زباں اس نے

سنائی دکھ بھرے لہجے میں اپنی داستاں اس نے

صعوبت میں گزرتا ہے یونہی ہر ماہ وسال اپنا

نہیں کوئی دیارِ زیست میں پرسانِ حال اپنا

کئی وقتوں سے میرے لاڈلوں پر فاقہ گزرا ہے

زیادہ بھوک اب لگنے سے حالت ان کی خستہ ہے

بلکنا اور رونا ان کا جب دیکھا نہیں جاتا

فقط جھوٹی تسلی کو بنا بیٹھی شعار اپنا

ابھی کھانا ہوا تیار، بہلاتی ہوں یہ کہہ کر

مگر ہانڈی میں دیکھو صرف پانی اور ہیں کنکر

یہ بچے روتے روتے نیند کی وادی میں ہوتے ہیں

زیادہ تر تصور ہی میں کھانا کھا کے سوتے ہیں

کہانی بیوۂ مسکین کی سن کر لرز اٹھے

پھر اس کے بعد شفقت اور نرمی سے عمرؓ بولے

مسائل سے خلیفہ کو تو اپنے باخبر کرتی

وظیفہ اپنا بیت المال سے جاری کرا لیتی

نہ سوچا کون ہیں یہ اورکیا ہے مرتبہ ان کا

کیا ناراضگی کا اس نے یوں اظہار برجستہ

بنی نوعِ بشر ہوں گے، عدالت پر خدا ہوگا

بروزِ حشر میرا اور عمرؓ کا فیصلہ ہوگا

زمانے میں یہی ہیں کام اربابِ حکومت کے

کوئی فاقے سے مرجائے مگر ان کی بلا جانے

بہر لمحہ رعایا پر نظر رکھنا ہے کام ان کا

پریشاں حال لوگوں کی خبر رکھنا ہے کام ان کا

نبھانے سے اگر معذور فرضِ منصبی وہ ہیں
تو عہدہ کیوں نہ اپنا سونپ دیتے خودکسی کو ہیں
ہوئی فاروقِ اعظمؓ پر یہ سن کر کپکپی طاری
خیالِ حشر آیا اور آنسو ہوگئے جاری
اٹھے فوراً وہاں سے اور سیدھے بیتِ مال آئے
بھریں کھانے کی اشیا بورے میں اور چل نکلے
اٹھائے سر پر اپنے چارہ سازِ بیکساں پہنچے
متاعِ خوردنی لے کر امیرِ کارواں پہنچے
پھر اپنے سامنے پکواکے سب کو کھانا کھلوایا
اجازت لے کے چلنے کا ارادہ جونہی فرمایا
صمیمِ قلب سے دے کر دعا بے آسرا بولی
کہ ان درد آشنا سے پیکرِ صبر ورضا بولی
غریبوں اور دکھیوں کے فقط غمخوار تم نکلے!
خلافت کے بھی سرتاسر کہوں حقدار تم نکلے!

کہاں دولت کدہ ہے قابلِ اکرام بتلادو
کہ جاتے جاتے بھائی جان ، اپنا نام بتلادو
نقوشِ جاوداں چھوڑے ہیں اصحابِ پیمبر نے
تعارف اس طرح اپنا کرایا عدل گستر نے
بہن! مجھ کو ہی بن خطابؓ خاص عام کہتے ہیں
اسی ناچیز کو سب خادمِ اسلام کہتے ہیں

☆☆

بیٹے کی گواہی

حضرتِ شیرِ خداؓ کی ڈھال اک گم ہوگئی
قیمتی ہستی کی ہوتی ہے ہر اک شے قیمتی

ایک عرصے تک رہی اس کی تلاش وجستجو
کس نے لے لی یہ نہ آپائی کسی جانب سے بو

یاد اس کی رفتہ رفتہ ذہن سے جاتی رہی
ساعتِ عمرِ رواں سرمایۂ ملّت بنی

حضرتِ عثمانؓ کے بعد ان کو خلافت مل گئی
یعنی اصحابِ پیمبرؐ کی قیادت مل گئی

اک یہودی سے کہیں مڈبھیڑ رستے میں ہوئی
دیکھتے ہی ہاتھ میں اس کے سپر پہچان لی

آپؓ نے پوچھا، کہاں سے لائے ہو سچ سچ کہو
یہ سپر میری ہے، میری شے مجھے واپس کرو

وہ یہودی ڈھال دینے پر نہ جب راضی ہوا
مانگنے انصاف پہنچے دفترِ دارالقضا

تھے مدینے میں بہت اسلام کے حامئ وقت
حضرتِ عباسؓ تھے اک نامور قاضئ وقت

عام لوگوں کی طرح درخواست دی قاضی کے پاس
میں نے اپنی ڈھال دیکھی دشمنِ جانی کے پاس

حلفیہ کہتا ہوں مجھ کو جھوٹ سے نفرت رہی
التجا ہے آپ سے وہ ڈھال دلوادیں مری

جب یہودی پیش قاضی آیا تو پوچھا گیا
تجھ پہ ہے الزام چوری کا تو اپنی کہہ سنا

چوری کے الزام سے فی الفور وہ گھبرا گیا
خود پہ قابو رکھ کے لیکن صاف لفظوں میں کہا

میرے قبضے میں ہے میرے پاس رہنے دیجئے
یہ سپر میری ہے مجھ سے جو قسم لے لیجئے

مدعی کے دعوے کو خاطر میں وہ لایا نہ جب
آپڑی اُس دم شہادت کی ضرورت پیش تب

والدِ حسنینؓ سے بولا گیا لائیں گواہ
تاکہ وقتِ فیصلہ دل میں نہ ہو کچھ اشتباہ

اک بنے شاہد، حسنؓ اور دوسرے شاہد، حسینؓ
تھے وہ دونوں فاطمہؓ کے اور علیؓ کے نورِ عین

کہہ دیا قاضیٔ دوراں نے بلا خوف وخطر
حضرتِ شیرِ خداؓ کی حیثیت کو بھول کر

لختِ دل، لختِ جگر ، نورِ نظر ہیں آپ کے
آپ ہیں ان کے پدر اور یہ پسر ہیں آپ کے

با صراحت کر چکا ہے دینِ فطرت مسترد
باپ کے حق میں ہے بیٹے کی شہادت مسترد

میں شریعت کے خلاف اقدام کر سکتا نہیں
دین کو اغیار میں بدنام کر سکتا نہیں

یہ سپر ہے آپ کی تو اورکوئی لائیں گواہ
تاکہ غیروں میں نہ حکمِ شرع ہو پائے تباہ

ہو گئے خاموش یہ سن کر جنابِ مرتضیٰ
تھا نہ شاہد اورکوئی پاس ان کے تیسرا

اور جب ان کی طرف سے عذر ظاہر ہوگیا
فیصلہ حق میں یہودی کے ہی قاضی نے دیا

ہاں مگر اس فیصلے کا یہ ہوا ظاہر اثر
خود یہودی بول اٹھا بے ساختہ المختصر

جس نبی کے ماننے والوں کا ایسا حال ہے
دور رہنا اس نبی کے دین سے جنجال ہے

نورِ ایماں سے چراغ دل فروزاں ہوگیا
با خوشی اس نے سپر دے دی مسلماں ہوگیا

☆☆

سچ کی برکت

یہ داستان پیکرِ صدق وصفا کی ہے
یعنی جنابِ حضرتِ غوث الوریٰؒ کی ہے
تاریخ کہہ رہی ہے یہی خوش خصال کی
اس وقت ان کی عمر تھی کل آٹھ سال کی
دل میں حصولِ علم کی جب جوت جگ گئی
خدمت میں والدہ کی گئے اور عرض کی
اماں مجھے جو اذن ملے آپ کا اگر
بہرِ حصولِ علم ہو بغداد کا سفر
آگاہ علمِ دین کی عظمت سے ماں بھی تھیں
بیٹے کا شوق دیکھا تو آمادہ ہوگئیں
دن رات ایک کرکے کئے اہتمام سب
لختِ جگر کو بھیجنے کے انتظام سب

مالِ خطیر بیٹے کے ہمراہ کردیا
رستے میں کھانے کے لئے زادِ سفر دیا
دے کر دعا بہ شفقت والفت جدا کیا
کرکے یہ مختصر سی نصیحت جدا کیا
تیرا قدم قدم پہ نگہبان ہو خدا
''سچ بولنا ہمیشہ'' مرے لال اب تو جا
لکھ کر کتابِ دل پہ نگارِ نظر نواز
اک قافلے کے ساتھ چلے صاحبِ فراز
جنگل میں ایک جیسے ہی پہنچا وہ کارواں
کچھ ڈاکوؤں نے گھیر لیا آکے ناگہاں
محروم زادِراہ سے یک لخت ہوگئے
سب لوگ پل میں لُٹ کے تہی دست ہوگئے
ان رہزنوں سے ایک قریب ان کے آگیا
پوچھا کہ تیرے پاس بھی کچھ مال وزر ہے کیا

ان کا تھا یہ جواب ، خزانہ ہے میرے پاس
چالیس اشرفیوں کا اثاثہ ہے میرے پاس
ڈاکو کو ان کے سچ پہ ہوا جھوٹ کا گماں
آئیں گی اس کے پاس کہاں سے اشرفیاں
یہ سوچ کر وہ دل میں وہاں سے چلا گیا
پھر اس کے بعد دوسرا ایک اور آگیا
ظلمت پسند ایک تو اک نور بے حساب
اس کا وہی سوال تو ان کا وہی جواب
المختصر کہ اس نے بھی یہ فیصلہ کیا
لگتا ہے بچہ یہ تو نہایت غریب کا
اور اس کے بعد وہ بھی وہاں سے چلا گیا
بچہ جہاں کھڑا تھا وہیں پر کھڑا رہا
مال و متاع لوٹ کے فارغ وہ جب ہوئے
ڈاکو تمام ایک جگہ جمع ہوگئے

جشنِ طرب منانے میں مصروف تھے سبھی
بچے کا ذکر چھیڑ دیا ایک نے تبھی
سردار کا یہ حکم ہوا بس لپک کے جا
اس طفلکِ شریر کو فوراً پکڑ کے لا
بچہ ایک آٹھ سال کا دشمن کے سامنے
ننھی سی جان تھی شہِ رہزن کے سامنے
سردار کا سوال ''تجھے مال وزر بھی ہے
رہتا ہے تو کہاں ترے رہنے کا گھر بھی ہے''
بولے کہ پونجیاں ہیں مری آستین میں
چالیس اشرفیاں ہیں مری آستین میں
سردار سن کے موجِ تحیر میں گھر گیا
تاہم وہ اپنے طرزِ تخاطب میں بول اٹھا
سچا ہے اپنے قول میں اے طفل تو اگر
اپنی اشرفیوں کو دکھادے نکال کر

ٹانکے تمام کھول دئے آستین کے
ساری اشرفیاں گریں اوپر زمین کے

ان کا وتیرہ گو کہ فقط ظلم وجور تھا
منظر مگر یہ دیکھ کے سکتے کا دور تھا

ان کے حواس اپنی جگہ پر جب آگئے
سردار کی زباں سے یہ جملے ادا ہوئے

یہ راز کچھ سمجھ میں نہیں آسکا ہمیں
للہ بات کیا ہے بتا دے ذرا ہمیں

ان ڈاکوؤں کے سامنے روشن ضمیرؒ نے
بے باکیوں سے کہہ دیا پیرانِ پیرؒ نے

تحصیلِ علم کے لئے گھر سے چلا ہوں میں
لے کر دعائیں ماں کی روانہ ہوا ہوں میں

مجھ سے ہوا سوال تمہارا یہ جس گھڑی
کانوں میں میرے ماں کی صدا گونجنے لگی

گھر سے نکلتے وقت نصیحت یہ ماں نے کی
مجھ کو گلے لگا کے ہدایت یہ ماں نے کی

لوحِ جگر پہ نقش ہے ماں کا کہا ہوا
سچ بولنا تو لال مرے تادمِ قضا

میں نے تو والدہ کے کہے پر عمل کیا
لے لو اشرفیاں مجھے شکوہ نہ کچھ گلہ

اک بار پھر وہ بحرِ تعجب میں جا گرے
اور ماہئ بے آب کی صورت تڑپ اٹھے

ساری درندگی پہ معاً اوس پڑ گئی
ہر شخص اپنے دل میں لگا سوچنے یہی

کانٹوں کے درمیان چلا آنکھ موند کر
ماں کی نصیحتوں کے مطابق بلا خطر

لیکن کئے ہیں ہم نے تو ہر آن پائمال
اللہ پاک کے سبھی فرمان پائمال

ناگاہ ان کی غیرتِ ایمان جاگ اٹھی
پتھردلوں میں عظمتِ ایمان جاگ اٹھی
ہاتھوں کو بڑھ کے چوم لئے دستگیر کے
اور سب مرید ہوگئے پیرانِ پیرؒ کے
سچ کے طفیل صاحبِ اذکار ہو گئے
ڈاکو تمام منبعِ انوار ہوگئے

☆☆

فتنۂ قادیانیت

جنابِ حضرتِ آدمؑ نے یہ جلوہ نما دیکھا
مبارک نام جس کا عرشِ اعظم پر لکھا دیکھا
خلیل اللہؑ نے جس ذاتِ اقدس کی دعا مانگی
زمانے بھر کو روح اللہؑ نے جس کی بشارت دی
امام الانبیاءؐ کی شکل میں وہ آفتاب آیا
منور کرنے دنیا کو جمالِ بے حساب آیا
ہر اک قول وعمل جس کا کھلا اتمامِ حجت ہے
نمونہ زندگی کا سر بہ سرنورِ ہدایت ہے
وہی اک ذات زیرِ آسماں نورِ مجسم ہیں
وہی ذاتِ گرامیؐ وجہِ تخلیقِ دوعالم ہیں
شہنشاہِ جہاںؐ پر بادشاہت ناز کرتی ہے
حبیبِ ربِ عالمؐ پر رسالت ناز کرتی ہے

بجز اک شافعِ محشرؐ نہ آیا ہے نہ آئے گا
کوئی بعد ان کے پیغمبر نہ آیا ہے نہ آئے گا

خدا نے آپؐ پر انعام کی تکمیل فرمادی
ہمیشہ کے لئے اسلام کی تکمیل فرمادی

بجھا سکتا نہیں کوئی چراغِ دینِ فطرت کو
رضائے خالق ومالک میسّر اس امانت کو

مگر یہ بھی حقیقت ہے کمینے تھڑدُلے اٹھے
رسولِ آخریؐ کے بعد کتنے سر پھرے اٹھے

نبوت کا لباسِ کذب وہ پہنے ہوئے نکلے
نقوشِ فخرِ انس وجاں مٹانے بھیڑیئے نکلے

مگر شکرِ خدا اس کا صلائے عام زندہ ہے
جہنم کے بنے ایندھن وہ سب، اسلام زندہ ہے

انہیں ننگِ جہاں میں ہمدمِ شیطان تھا بدبخت
غلام احمد سراپا عاریٔ ایمان تھا بدبخت

غلط مفہوم لیتا تھا کلامِ حق کی آیت کا
وہ منکر تھا نبیٔ پاکؐ پر ختمِ رسالت کا

کبھی خود کو تو ادنیٰ خادمِ اسلام کہتا تھا
کبھی اپنی ہر اک بکواس کو الہام کہتا تھا

نقوشِ پاک سیرت کی مذمت کی ہے بدخو نے
مسیحِ ابنِ مریمؑ کی اہانت کی ہے بدخو نے

یہاں تک اس لعینِ وقت نے بدگوئیاں کی ہیں
شفیع المذنبینؐ کی شان میں گستاخیاں کی ہیں

نبی ثابت کرے خود کو اسی ترکیب میں تاعمر
رہا مصروف قرآں کی کھلی تکذیب میں تاعمر

کھڑا کرتا رہا تا زندگی فتنہ نبوت کا
وہ زندیقِ مبیں کرکے مرا دعویٰ نبوت کا

عدوئے دینِ برحق مرگیا لیکن ضلالت کو
فصیلِ قادیاں میں دھر گیا اپنی خباثت کو

اسی کافر کو ''مرزائی'' نبی اپنا سمجھتے ہیں
جہنم کو وہ اندھے راحتِ عقبیٰ سمجھتے ہیں

کلامِ کبریا کی من گھڑت تفسیر کرتے ہیں
خیالِ کفر یہ کی ہر جگہ تشہیر کرتے ہیں

تمام اسلافِ امت نے جو ان پر غور فرمایا
حدِ اسلام سے ''مرزائیوں'' کو دور ٹھہرایا

مسلمانوں کو ان سے بر سرِ پیکار رہنا ہے
بقائے دینِ حق کے واسطے تیار رہنا ہے

بڑی ہشیاریوں کے ساتھ یہ مکار ملتے ہیں
زباں پر ان کی یوں تو غنچۂ وحدت بھی کھلتے ہیں

کوئی لاعلمیت کی وجہ سے ان کے قریب آیا
فریبِ لعنتی میں طے سمجھ لو بد نصیب آیا

وتیرہ ہے وہ اپنا رکھ کے چولا طاقِ نسیاں پر
لگا کر ضربِ کاری پھر مسلمانوں کے ایماں پر

لٹیرے کل متاعِ دینِ فطرت چھین لیتے ہیں
دلوں سے آیتِ ختمِ رسالت چھین لیتے ہیں

سنا ہے کچھ یہاں کے گاؤں میں رہزن چلے آئے
سنبھل جاؤ سرہانے دین کے دشمن چلے آئے

نظر میں ان کی دیوبندی بریلی کچھ نہیں ہوتا
وہ ڈاکو جس جگہ پہنچے پڑا ایمان پر ڈاکا

یہی منشا تمہارا ہے کہ اب گمنام ہو جائے
تلاطم کے حوالے کشتیِ اسلام ہو جائے

معاذاللہ تمہارے گھر سے جب اسلام نکلے گا
شبستانوں سے ہر دم موت کا پیغام نکلے گا

خدا کے واسطے اب بھی نظریاتی رقابت کو
بھلا دو سب عناد وکینہ وبغض وعداوت کو

حفاظت کے لئے اسلام کی سب ایک ہو جاؤ!
فروعی مسئلے کو بھول کر اب ایک ہوجاؤ

جہیز کی لعنت

زندہ تھے جو دلوں کو ملانے کے واسطے
بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے کے واسطے
روتے ہوئے نفس کو ہنسانے کے واسطے
فرسودہ سب نقوش مٹانے کے واسطے
گمراہیوں میں خود وہ گرفتار ہوگئے
یعنی مسیحِ وقت ہی بیمار ہوگئے

میں کیا لکھوں ہیں بند تخیل کی کھڑکیاں
جو کچھ کہ دیکھتا ہوں وہ کیسے کروں بیاں
صدیوں تھی جن کے زیرِ قدم وسعتِ جہاں
اب ان کے حالِ زار پہ روتا ہے آسماں
کیسا زمانہ حاملِ قرآں میں آگیا
اغیار کا طریقہ مسلماں میں آگیا

وہ جل رہی ہے دیکھو کسی گھر کی لاڈلی
اب تک ہے جس کے ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی
یہ بولتے ہی بولتے دنیا سے چل بسی
میری خطا جہیز کی فہرست میں کمی
بدلے ہوئے مزاج کی گردن پہ دھر گئی
اپنا لہو سماج کی گردن پہ دھر گئی

انسانیت پہ داغ ندامت جہیز ہے
موجودہ دور کی تو یہ لعنت جہیز ہے
خود داریٔ ضمیر کی قیمت جہیز ہے
ازروئے شرع قابلِ نفرت جہیز ہے
سود وزیاں کی اس میں تو پہچان ہی نہیں
لیتا ہے جو جہیز وہ انسان ہی نہیں

فرمائشوں کی ایسی چلیں تیز آندھیاں
ان کی لپیٹ میں ہیں ابھی ساری بستیاں

بے چارگی پہ باپ کی روتی ہیں بیٹیاں
بیٹے کے باپ بھرتے ہیں اپنی تجوریاں

کیا جانے کون زہر کا یہ بیج بوگیا
لڑکی کا اب وجود مہا پاپ ہوگیا

پہلے جو تھی وہ خوئے شجاعت کہاں گئی؟
اپنے پہ انحصار کی عادت کہاں گئی؟
بولو نبی پاکؐ کی سنت کہاں گئی؟
تم سے نکل کے بوئے حمیت کہاں گئی؟

اپنی گرہ میں باندھ کے رکھ لو مرا پیام
گن گن کے تم سے وقت ہی لے لے گا انتقام

قدرت کے سامنے تو کسی کی نہ اک چلے
تقدیر کے لکھے کو کوئی کیا مٹا سکے
زنّاٹے دار تم کو طمانچہ جو آ لگے
دوچار لڑکیوں کے اگر باپ بن گئے

تب دیکھتے ہی دیکھتے نکلیں گے سب غرور
دن میں ہی تم کو تارے نظر آئیں گے ضرور

کرتے ہو یہ سوال رقم دو مکان دو
آرائشِ وقار کی ہر آن بان دو
ٹی۔وی دو اک فریج دو گاڑی بھی دان دو
اے باغئ شعار ذرا یہ بھی دھیان دو

اسلام میں تو ایسی تجارت حرام ہے
دل توڑ کر جو لوگے وہ دولت حرام ہے

فرمائشوں کی لسٹ میں کچھ بھی کمی رہی
سسرال والوں سے یہ شکایت جڑی رہی
لڑکی بچاری طعنہ زنی سے دبی رہی
انسانیت کھڑی کی کھڑی دیکھتی رہی

افسوس اذنِ شرع سے تم نے کیا مذاق
دے دی پلک جھپکتے ہی بیوی کو بس طلاق

زنہار دل میں خوف خدا کا تمہیں نہیں
کہتا ہے یہ جہان بھی اچھا تمہیں نہیں
اپنی کمائی پر ہے بھروسا تمہیں نہیں
اپنے کو بیچتے ہو یہ زیبا تمہیں نہیں
خوددار بن کے دہر میں زندہ رہو گے کیا
اوروں سے لے کے تم بھی ترقی کروگے کیا

پڑھتے ہو کیا فقط اسی چاہت کے واسطے
دینِ متیں کے ساتھ شرارت کے واسطے
اسلاف کے خلاف بغاوت کے واسطے
کیا روشنیٔ علم ہے ظلمت کے واسطے
عزمِ سفر ہوئے رہِ منزل کو چھوڑ کر
منجدھار میں چلے گئے ساحل کو چھوڑ کر

گھر سے یہ سب سمیٹ کے سامان لے گیا
پہچان کے تمہاری تو عنوان لے گیا
کتنے ہی بے گنہ کی تلک جان لے گیا
رونا تو ہے خزینۂ ایمان لے گیا

اس درجہ بڑھ گیا ہے اب اس کا معاملہ
ہر سو کراہتا ہے یہ مسلم معاشرہ

گلزارزندگی کی لطافت چلی گئی
ورثے میں جو ملی تھی امانت چلی گئی
دیرینہ سادگی کی روایت چلی گئی
آپس میں ارتباط کی علت چلی گئی
خیرِ امم ہو اس کا ذرا پاس تو کرو
اغیار طنز کرتے ہیں احساس تو کرو

یہ پیرویٔ حکمِ شریعت کا نام ہے
دشواریٔ حیات میں راحت کا نام ہے
تا زندگی سکون ومسرت کا نام ہے
شادی تو ایک رشتۂ الفت کا نام ہے
اسراف کا سماج سے نام ونشاں مٹے
اس لعنتِ جہیز کی اب داستاں مٹے

☆☆

میں ہوں اردو

ہر دل میں اتر جائے وہ اندازِ بیاں ہوں
اردو جسے کہتے ہیں وہی شیریں زباں ہوں

اظہارِ تخیل کی ضرورت مجھے کہئے
یکجہتی قومی کی وراثت مجھے کہئے

دھرتی یہ مری اور یہی میرا گگن ہے
پیدا ہوئی بھارت میں یہی میرا وطن ہے

ماحول کے ہر نقش عداوت کو مٹایا
الفت کے چراغوں کو سرِ عام جلایا

ہر شعبۂ تحریک کا آغاز رہا ہے
تابندہ ہمیشہ رہے وہ نعرہ دیا ہے

کب گردشِ حالات میں آرام کیا ہے
آزادئ بھارت کے لئے کام کیا ہے

ہاں! اس کی محبت سے سدا رشک چمن ہوں
ہندی ہے بہن میری میں ہندی کی بہن ہوں

باشندۂ بھارت کی میں مشترکہ زباں ہوں
اس واسطے ہر رہروِ منزل کا نشاں ہوں

مجھ کو تو بصد شوق سلاطین نے سینچا
خون اور پسینے سے خواتین نے سینچا

سکھ اور مسلماں نے کلیجے سے لگایا
ہندو نے ہمیشہ مجھے آنکھوں میں بسایا

گر فیضؔ و مصورؔ نے مری زلف سنواری
تو فکرؔ و کنہیاؔ نے مری شمع جلائی

مسکن ہے اگر خانۂ اقبالؔ و جگرؔ میں
دیکھو مجھے نارنگؔ و نرائنؔ کے بھی گھر میں

سرسیدؔ و سیمابؔ کے افکار کو دیکھو
گلشن میں میرے بیدیؔ و سرشارؔ کو دیکھو

جو مجھ میں لکھے منشی وچندر نے فسانے
ان کو بھلا کس طرح بھلائیں گے زمانے
چکبست و فراق، اکبر و حالی کی چہیتی
ہوں مضطر و داغ، اصغر و فانی کی چہیتی
انشاء و دبیر، آتش و غالب مرے شیدا
تسلیم و نظیر، اختر و طالب مرے شیدا
جان اپنی چھڑکتے تھے انیس اور ولی بھی
استاد ظفر، ذوق بھی مومن بھی صفی بھی
آزاد بھی ہیں شاد بھی رسوا بھی مرے ہیں
ہاں! مصحفی ومیر بھی سودا بھی مرے ہیں
مجروح بھی ہیں شمس بھی تاباں بھی مرے ہیں
سجاد بھی شبلی و سلیماں بھی مرے ہیں
مخمور و فضا، جوش ومجاز انور و علوی
ناشاد و مظفر بھی سپاہی مرے کیفی

سلطان و خمار اجمل وساحر بھی ندا بھی
اپنے ہیں مرے بیکل و مظہر بھی وفا بھی
تاریخ رقم کر گئے وہاب بھی مجھ میں
کرتے ہیں رقم لطف بھی شاداب بھی مجھ میں
مشتاق وکلام اور ظفر میرے وفادار
تنقید کے تحقیق کے میداں کے قلم کار
سلطان و سہیل اور مناظر مرے عاشق
دوراں و صبا کاظم و قاصر مرے عاشق
نوری وندا خالد وانور بھی مرے ہیں
بیدار بھی، احسان بھی رہبر بھی مرے ہیں
نوشاد و ذکی طارق و افسر بھی مرے ہیں
سب جانتے ہیں عاجز و اختر بھی مرے ہیں
یہ ساجدہ وعصمت وحیدر کو بھی دیکھو
آنگن میں مرے شبنم و کشور کو بھی دیکھو

شائستہ و ذکیہ بھی ہیں اربابِ ہمم میں
اور رابعہ مشتاق بھی ہیں اہلِ قلم میں

پروین و قمر بلبلِ گلزارِ سخن ہیں
اور زاہدہ زیدی بھی پرستارِ سخن ہیں

اتنے ہی نہیں میرے علم دار ہیں لاکھوں
اس انجمنِ زیست میں فنکار ہیں لاکھوں

لیکن جو ابھی دیکھتی ہوں طرفہ تماشا
ہے آج کے ماحول سے بے خوف یہ شکوہ

اسکول کے کالج کے احاطے میں نہیں ہوں
اب دفترِ سرکار کے سایے میں نہیں ہوں

تشہیر وبقا کے مری چرچے تو بہت ہیں
نکھرے گی مری شکل یہ دعوے تو بہت ہیں

لیکن میں ہوئی جاتی ہوں گمنام وطن میں
دن رات نئے لگتے ہیں الزام وطن میں

تشکیک کے پہرے ہیں مرے کام ودہن پر
اب سازشِ حالات کے ہوں دارورسن پر

ایسے بھی عناصر ہیں جنہیں دیتی ہووں روٹی
ان کے بھی شبستاں ہیں مرے ذکر سے خالی

گھر میں وہ تعجب ہے کتابیں نہیں رکھتے
اخبار نکلتے ہیں جو مجھ میں نہیں پڑھتے

جن کی کہ ہے پہچان مری ذات میں پنہاں
ان کا بھی تخیل ہے کہ ہوں داغ بہ داماں

خود کو نہ کسی طرح بچا پائیں گے وہ بھی
مٹتے ہی مرے آپ ہی مٹ جائیں گے وہ بھی

جو قوم کرے اپنی زباں کی نہ حفاظت
بن جاتی ہے اس قوم کی تقدیر ہلاکت

تاہم مرا ایقان ہے ایسا نہیں ہوگا
بھارت سے مرا خاتمہ اصلا نہیں ہوگا

اربابِ سخن سنج کبھی ختم نہ ہوں گے

یہ میرے قلم کار سبھی ختم نہ ہوں گے

قندیل سے قندیل یوں ہی جلتی رہے گی

گاڑی مری ہستی کی سدا چلتی رہے گی

طوفان کی آغوش میں پروان چڑھوں گی

شب تار میں تا حشر ضیابار رہوں گی

☆☆

یومِ سیاہ

شہادت بابری مسجد کی پہلی برسی پر

ذہن کی انگنائی میں جب ''چھ دسمبر'' آگیا

دل کا خوابیدہ ہر اک زخمِ الم تازہ ہوا

پنجۂ خونیں سے اپنے ننگ ہائے وقت نے

نوچ ڈالا آدمیت کا لباسِ ارتقا

☆

سوزشِ حالات کی اک دفعتاً آندھی اٹھی

گلشنِ ہندوستاں میں مچ گئی غارت گری

بے گناہوں کے سر اچھلے نیزہ و شمشیر پر

اس دہکتے وقت کی کیسے کریں منظر کشی

☆

کیا وہ لمحے تھے یہ سوچو باپ ماں کے سامنے
دن دہاڑے ہم نشینو! حملۂ ابلیس سے
سینکڑوں معصوم بچے موت کی آغوش میں
ہاں یہی وہ ''چھ دسمبر'' تھا کہ جس دن سوگئے

☆

ہوشمندوں کی کہیں اس روز عقلیں کھوگئیں
بے حسی پر حکمرانوں کی فضائیں رو گئیں
دیکھتے ہی دیکھتے اس روح فرسا کھیل سے
چوڑیاں ابلاؤں کے ہاتھوں کی ٹھنڈی ہوگئیں

☆

اڑ چکی تھیں جامۂ ہم سائیگی کی دھجیاں
کرب میں ڈوبے ہوئے تھے طالبِ امن واماں
شعلۂ نفرت بہر سو یوں بھڑک اٹھا کہ آہ
بربریت کے شکنجے میں کسا ہندوستاں

گاؤں، قصبہ اور نگر میں کرفیو نافذ ہوا
نخلۂ دیوار و در میں کرفیو نافذ ہوا
کاروبارِ زندگی مفلوج ہو کر رہ گئے
ہر فصیلِ بال و پر میں کرفیو نافذ ہوا

☆

زہر آلودہ فضاؤں میں اڑا کر بولیاں
نسلِ آدمؑ کے لہو سے کھیل کر وہ ہولیاں
ناگہاں بدنام کرکے سارے جگ میں دھرم کو
منزلِ مقصد کو پہنچیں وحشیوں کی ٹولیاں

☆

کشتیٔ غارت گری چلتی رہے گی کب تلک
وادیٔ خوابِ حسیں جلتی رہے گی کب تلک
گاندھی و آزادؔ و نانکؔ کے گلستاں میں کہو
نفرتوں کی شاخ یہ پھلتی رہے گی کب تلک

سرزمینِ ہند پر اب تو شرارت بند ہو
ایک اک دروازۂ بغض و عداوت بند ہو
نفع کی صورت کوئی اس میں نظر آتی نہیں
ووٹ کی خاطر یہ لاشوں کی تجارت بند ہو

☆

سوچنا ہے مل کے سب کو وہ نہ دن آئے کبھی
دیش میں تاریخ کشت وخوں نہ دہرائے کبھی
سالمیت کا اثاثہ ختم ہو جانے کے بعد
جانبِ بھارت کوئی انگلی نہ اٹھ پائے کبھی

☆☆

آہ حضرت شمسؔ

وفات:۲۶؍دسمبر۱۹۹۲ء

احمد حسین شمسؔ سخنور نہیں رہے
دنیا میں اب وہ خُلق کے پیکر نہیں رہے
میدانِ شاعری کے فسوں گر نہیں رہے
دریائے آگہی کے شناور نہیں رہے

ناگاہ جس گھڑی مجھے معلوم یہ ہوا
سرتا قدم میں سکتے کے عالم میں آگیا

قصبۂ بمن گرام کی آغوش کا دیا
جو پوری آن بان سے تا زندگی جلا
ہر گوشۂ سخن کو اجالا کیا عطا
افسوس جب بجھا تو اچانک ہی بجھ گیا

شہر کرشن گنج کے محور چلے گئے
ہمراہ لے کے رونقِ منظر چلے گئے

اب کون ہے جو گیسوئے اردو سنوارے گا
اپنے تخیلات کا جادو جگائے گا
جینے کا حوصلہ وہ جہاں کو دلائے گا
اشعار کے ذریعہ اسے یہ بتائے گا

کانٹوں کی نوک پر چلے تا عمر کو بکو
"لیکن نہ پیرہن کو ہوئی حاجت رفو"

رکھتے تھے اپنے پاس ہی وہ سب کو جوڑ کر
کیوں چل بسے ہر ایک سے خود رشتہ توڑ کر
مصرع یہ لکھنے والے گئے رخ کو موڑ کر
"انجم گئے امام گئے مجھ کو چھوڑ کر"

میں ان کی قربتوں کے سبب تھا قریب میں
مٹی مگر لکھی نہ تھی میرے نصیب میں

دل میں بسے ہوئے سبھی اوہام سے لڑے
حرص وہوس کی فوج سبک گام سے لڑے

جم کر ہمیشہ خواہشِ انعام سے لڑے
مردانہ وار گردشِ ایام سے لڑے

یہ عقدۂ حیات سبھی کو بتا دیا
لمحے غموں کے آئے بھی تو مسکرا دیا

نظمیں ہیں ان کی روح فصاحت لئے ہوئے
گلدستۂ غزل ہے لطافت لئے ہوئے
قطعوں کا لفظ لفظ شجاعت لئے ہوئے
ہر کنڈلی ہے طنز وظرافت لئے ہوئے

اخلاق کا پیام ہیں ساری رباعیاں
سچ یہ کہ ہر کلام میں اک بانکپن عیاں

وہ قادر الکلام ادیبوں کی صف میں تھے
مضمون بھی لکھے کئی ناول بھی لکھ گئے
تاہم خود اشتہار کے قائل نہیں ہوئے
اس واسطے مسافرِ گمنام ہی رہے

اب دیکھنا ہے وقت کی انگڑائیاں ہمیں
شایانِ شان بخشے ہے اعزاز کیا انہیں

استاد کو خراجِ عقیدت بہ احترام
قرآن کی فضیلت وبرکت بہ احترام
کرتا ہوں پیش اپنی تلاوت بہ احترام
اللہ کر عطا انہیں جنت بہ احترام

شاہِ اممؐ کے ذکر کا چسکا کمال تھا
رحمت پہ تیری ان کو بھروسا کمال تھا

☆

یومِ آزادی

سب اہلِ وطن کو یہ سعادت ہو مبارک
آزادی کی تقریب کی ساعت ہو مبارک

اک عرصہ فرنگی کے شکنجے میں رہا ہے
یہ ہند غلامی کے اندھیرے میں رہا ہے

سفاک وستم گار کے مقتل سے ملی ہے
آزادی ہمیں جہدِ مسلسل سے ملی ہے

ہے درج یہ تاریخ کے صفحوں پہ فسانہ
لاکھوں بنے انگریزوں کی گولی کا نشانہ

اپنے ہی وہ اسلاف تھے مردانِ دلاور
کی دیش کی عظمت کے لئے جان نچھاور

عشاق نے بھاڑا کبھی پیراہنِ تن کو
باشوق کبھی چوم لیا دارورسن کو

رہتے تھے ہمہ وقت اسی کے لئے رنجور
آزادیٔ بھارت کے سوا کچھ نہیں منظور
جیلوں کی سلاخوں کو بھی آباد کیا ہے
اس طور سے اپنا وطن آزاد کیا ہے
ہر ہندو وعیسائی نے قربانیاں دی ہیں
ہر مسلم وسکھ بھائی نے قربانیاں دی ہیں
امبیدکر ونیتا جی، راجندر و جواہر
طوفانِ بلاخیز تھے سب پیش ستم گر
وہ جوہر وغفار وہ اشفاق وہ آزاد
انگریزوں کی نظروں میں رہے صورتِ فولاد
اخوان شیاطیں کو اودھم سنگھ وامر سنگھ
لرزاں کئے رہتے تھے بھگت سنگھ وکنور سنگھ
ہر آن جدا ہوتی رہی گردنِ اعدا
تھی باپو کے ہاتھوں میں وہ شمشیر اہنسا

اے معرکۂ ہند کے جانباز سپاہی
ایثار سے تیرے کٹی زنجیر غلامی
قندیل بقا عزم مصمم سے جلی ہے
یہ نعمتِ آزادی ترے دم سے ملی ہے
ہے قابلِ تحسین ترا جذبۂ الفت
کرتا ہوں تجھے پیش میں گلہائے عقیدت
اے روح شہیدانِ وطن آج مگر دیکھ
کس راہ پہ لگ کر یہ چلا دیش کدھر دیکھ
خطروں کے ہے سائے میں ہر اک جان ابھی تک
احساس تحفظ کا ہے فقدان ابھی تک
تشہیر فقط فرقہ پرستی کی ہوئی ہے
توقیر فقط فرقہ پرستی کی ہوئی ہے
عیار وخطاکار کی بڑھتی ہے فضیلت
معصوم مگر جھیلتے ہیں قیدِ مشقت

مٹھی میں لئے پھرتے ہیں قانون کو شہ زور
اوران کے مظالم کا شکار آج ہیں کمزور

گلزار تو گلزار قفس لوٹ رہے ہیں
فرزند خود اپنے اسے بس لوٹ رہے ہیں

گھپلوں کی گھوٹالوں کی عبادت ہے بہر سو
دفتر میں فقط قصۂ رشوت ہے بہر سو

شہرت سے انہیں پیار ہے بھارت سے نہیں ہے
دولت سے انہیں پیار ہے بھارت سے نہیں ہے

خوش ہو کے روایات وطن بیچ رہے ہیں
اس مادرِ گیتی کا چلن بیچ رہے ہیں

تہذیب وتمدن کی علامت بھی نہیں ہے
محفوظ خواتین کی عصمت بھی نہیں ہے

دیہاتوں کی شہروں کی رگ وپے میں ہے نفرت
مسمار ہوئی دیکھ لے دیوارِ محبت

قرآن کو گیتا کو جلایا گیا گھر گھر
نسرین کو ریتا کو جلایا گیا گھر گھر

بچوں کو بھی جھونکا گیا ہے شعلۂ شر میں
شیطان خجل ہو گئے باپو کے نگر میں

مظلوم کہاں کس کو سنائے گا فسانہ
انصاف کے کاندھے پہ ہے انصاف کا لاشہ

کہتے ہیں سبھی ہم ہیں اہنسا کے پجاری
سچائی مگر قول میں ان کے نہیں کچھ بھی

کیا ہے کہ فسادات کی تھمتی نہیں آندھی
کیوں روز ہوا کرتی ہے رسوائی گاندھی

نیتا ہی دیا کرتے ہیں دنگوں کو ہوائیں
چمکاتے ہیں اس طرح سیاست کی دکانیں

مسجد بھی گرائی کہیں مندر بھی گرایا
بھائی سے کہیں بھائیوں کا خون کرایا

بھاشا کی تجارت کبھی دھرموں کی تجارت
کرسی کے لئے کرتے ہیں لاشوں کی تجارت
انصاف کو پیروں تلے روندا گیا اب تک
کمزوروں کو شعلوں میں جلایا گیا اب تک
یہ ہند زمانے میں کھلے عام ہوا ہے
نیتاؤں کی حرکات سے بدنام ہوا ہے
ہندو ہے کوئی اور مسلمان کوئی ہے
ناموسِ وطن کا بھی نگہبان کوئی ہے؟
یہ بھی ہے کسی طور ذرا تلخ حقیقت
اس دورِ ترقی میں ہے پیچھے ابھی بھارت
ایسے بھی علاقے ہیں وطن میں کہ جہاں آج
ہوتا ہے شب و روز جہنم کا گماں آج
سڑکوں کی سہولت سے بہت دور ابھی ہیں
ریلوں کی زیارت سے بہت دور ابھی ہیں

بیمار کوئی ہو تو مداوا نہیں ہوتا
جز گورِ غریباں کوئی چارہ نہیں ہوتا
پینے کے لئے پانی کی قلت ہے ابھی بھی
جیتے ہیں مگر سوزشِ غربت ہے ابھی بھی
بس تلخیٔ ایام کو سہتے ہیں بچارے!
مجبوریٔ حالات پہ کہتے ہیں بچارے!
بوندیں بھی لئے ابر کا ٹکڑا نہیں آیا
آزادی کی املاک سے حصہ نہیں آیا
اتنے دنوں کے بعد گریبان میں جھانکیں!
خوش حالیٔ بھارت کے گلستان میں جھانکیں
تعلیم کے میدان میں پسماندہ بہت ہیں
دیہات کی آبادیاں ناخواندہ بہت ہیں
آواز نکلتی ہے دلِ فردوبشر سے
جینا ہوا دشوار گرانی کے اثر سے

آزاد فضا میں بھی اسیری نہیں مٹتی
مٹتے ہیں غریب ان کی غریبی نہیں مٹتی
اے اہلِ وطن جشنِ مساوات مناؤ
افلاس کے مارے ہوؤں کے ساتھ مناؤ
مانا وہ ہیں پیچھے ابھی ہستی کے مسافر
لیکن ہیں اسی دیش کی سنتان تو آخر
پُرکھوں سے ملنساری امانت میں ملی ہے
یہ دولتِ کمیاب وراثت میں ملی ہے
اس ساعتِ پُرکیف میں یہ عہد کریں ہم
مارا بہت اوروں کو اب اوروں پہ مریں ہم
ہر دل میں لگی آتشِ نفرت کو بجھا دیں
الفت کے مروت کے چراغوں کو جلادیں
یہ ہند ترقی اسی صورت میں کرے گا
اخلاص ومحبت کا جو ماحول بنے گا

☆☆

بےسہارا

تھرتھر لرز رہی تھی ہوا بھی اِدھر اُدھر
نا قابلِ بیان ہے سردی تھی اس قدر
بارش برس رہی تھی کڑکتی تھیں بجلیاں
ہر شاہراہِ زیست پہ چھائیں خموشیاں
سنسان ہو چکا تھا شبستانِ زندگی
ہر سمت اک عجیب سی چھائی تھی خامشی
میں سورہا تھا بے خبر اپنے پلنگ پر
سرتا قدم رضائی میں خود کولپیٹ کر
ناگاہ میرے کان میں آئی صدا کوئی
جیسے پکارتا ہو بصد التجا کوئی
آواز سن کے نیند کا غلبہ فرو ہوا
میں اک توہمات کی کھائی میں جا گرا

یہ کون سی بلا جو تعاقب میں آگئی
یاربِّ کائنات اماں چاہیئے تری
آتی ہے پھر صدا کہ ہوں تصویرِ بے بسی
للہ رحم کھایئے لٹتی ہے زندگی
میں نے کواڑ کھول کے باہر نظر جو کی
عورت تھی ایک سامنے میرے کھڑی ہوئی
جونہی نظر پڑی کہ ٹھٹھک کر میں رہ گیا
ڈھانچہ تھا ہڈیوں کا فقط اک کھڑا ہوا
اس کے وجود پر تھیں مسلط اداسیاں
غربت نے چھین لی تھیں جوانی مستیاں
کپڑے تھے بدنصیب کے یک لخت تار تار
افلاس ہی تھا اس کے سراپا کا پردہ دار
میں نے کہا یہ برق فشاں ابر الاماں
کس طرح تم اکیلی چلی آؤ ہو یہاں

بولی کہ اپنے بس میں نہیں ہے یہ نوحہ گر
حرماں نصیبیاں مجھے لائی ہیں کھینچ کر
کچھ روز قبل آج سے میں بیوہ ہوگئی
ہے اک نشانی شوہرِ مرحوم کی بچی
طوفاں کی زد پہ آج مرا ہے وہ لاڈلا
جانے مری امیدوں کے پالے کو کیا ہوا
تھوڑی سی میرے واسطے تکلیف کیجئے
بچے کو میرے چل کے ذرا دیکھ لیجئے
میں نے بغور اس کا سنا دردناک حال
معذوریاں بھی کر نہ سکیں کوئی قیل وقال
فوراً وہاں سے ساتھ ہی دونوں نکل چلے
اور دیکھتے ہی دیکھتے بچے کے پاس تھے!
دیکھا کہ ایک غنچہ ہے ٹوٹا گرا ہوا
اک نونہال بے حس وحرکت پڑا ہوا

گھر میں نہ ایک فرد بھی تیماردار ہے
تنہا کھری چٹائی پہ وہ شیر خوار ہے

اس جھونپڑی کا میں نے جو اک جائزہ لیا
اے دوستو کلیجہ مرا منہ کو آگیا

کونے میں ایک سمت تھا مٹی کا اک دیا
اس کا بھی حال یہ کہ بجھا اب تو بس بجھا

اک آہ سرد بھر کے میں ہمت بٹورکر
رکھا جو اپنے ہاتھ کو بچے کے ہاتھ پر

دیکھی جو نبض اس کی مرا دل لرز اٹھا
اک لفظ آرہا تھا زباں پر اٹک گیا

میں سوچنے لگا کہ کہوں اب تو کیا کہوں
بچے کی ماں ہے کیسے اسے مرگیا کہوں

مجبوراً اس غریب سے اتنا ہی کہہ سکا
حوروں نے اپنی گود میں اس گل کو لے لیا

وہ اس کی تاب لا نہ سکی تلملا اٹھی
اک چیخ مار کر وہیں خاموش ہوگئی

☆

اعلانِ دہشت گرد امریکہ

ساری دنیاغور سے سن لے اب اس اعلان کو
حوصلہ جس میں ہے وہ روکے مرے طوفان کو

دیکھنا ہے کتنی طاقت معرکہ جاری کرو
بات کرتا ہے ملا کر آنکھ بمباری کرو

بچ نہ پائے ایک بھی میرے جوانمردو بڑھو
ہر طرف سے ناکہ بندی کرکے سب کو گھیرلو

نقشۂ عالم سے مٹ جائے ہر اک نام ونشاں
وہ مزائل اور راکٹ سے ہوں گولے باریاں

اچھے اچھے ٹک نہ پائے بھوکا افغانی ہے کیا
''فوج امریکہ'' کو بھی سمجھا کوئی ''روسی'' ہے کیا

یہ جلال آباد کیا ہے کابل و قندھار کیا
راکٹ اور میزائل پر مور و ملخ کا وار کیا

''لیبیا'' والوں کا شاید علم ہے اصلا نہیں
میری بابت آج تک صدام سے پوچھا نہیں
''ویتنامی'' سے ذرا طاقت کی پوچھو داستاں
''ہیروشیما'' سے مری دہشت کی پوچھو داستاں
رو رہے ہیں اب بھی مل کے اپنے سقف وبام سے
کانپتے ہیں ''اہلِ ناگاساکی'' میرے نام سے
چیخ اٹھی حیوانیت ''بوسینیا'' کی آہ سے
شیطنت تھی سرنگوں ''چیچنیا'' کی آہ سے
صاف لفظوں میں بتاتا ہوں توجہ سے سنو
میری استعماریت سے بے خبر افغانیو
بات کرتے ہیں کسی سے جو کہ شیروں کی طرح
دم ہلاتے ہیں مرے آگے وہ کتوں کی طرح
کوئی پنجہ آزمائی کی حماقت کو اٹھا
اس جسارت کا جنازہ دوش پر اس کے ہوا

یہ خیالِ خام سرتا سر ہے افغانی سنو
لفظ بے معنی ہے یکسر ''زورِ ایمانی'' سنو
قلب میں اہلِ فلسطیں کے یہودی بھردیئے
جن کے دم سے عرصۂ ہستی ہے تنگ ان کے لئے
اک اشارے پر مرے تاریخ شرماتی رہی
مسجدِ اقصیٰ تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی
اس پہ طرہ یہ بھی ہے سب کچھ ڈھٹائی سے کیا
لب کشائی کی نہ کوئی ملک جرأت کرسکا
بربریت سے سنو میری اگر آگاہ ہو
خیریت اس میں ہے ایک اک اب بھی گھٹنے ٹیک دو
سچ کہوں! اسلام کانٹے کی طرح چبھتا ہے بس
کیوں کہ اس سے ہی فقط لاحق مجھے خطرا ہے بس
اتحادِ باہمی کی بات ہوتی ہے کبھی
ایسی تحریکوں سے اڑجاتی ہے میری نیند ہی

درحقیقت جن عناصر کے سبب جاگا جنوں
موت کی وادی میں ان کو بھیج کر پایا سکوں
خطرۂ فردا سراسر ہے اب اس کی زندگی
برملا سفاکیوں پر وار کرتا ہے مری
آج دنیا کی نگاہوں میں وہ ایسا مرد ہے
جس کا اس دھرتی پہ ہونا باعثِ سردرد ہے
کس نے ’’ٹاور‘‘ کوگرایا پوچھنے والے ہو کون
تم ثبوت اس کے بتاؤ مانگنے والے ہو کون
چوں کہ میں کہتا ہوں اس کو ماننا ہے لازمی
دھیان سے سن لو نہیں اس کے سوا چارہ کوئی
وہ کہاں رہتا ہے اس کا ہر ٹھکانا چاہیئے
زندہ یا مردہ بہر صورت ’’اسامہ‘‘ چاہیئے
مان لو دن کو اگر راتوں کا منظر کہہ دیا
ورنہ ہوگا بس وہی جو کچھ کہ اوپر کہہ دیا

علامہ گھونسہ کے منہ پر گھونسہ

شہر کے اخبار میں اک نظم دیکھی دوستو
نظم کہنا ہے غلط انسان پر حملہ کہو
نظم تو ہوتی ہے بچھڑے دل ملانے کے لئے
دور رہنے والوں کو نزدیک لانے کے لئے
باخبر تھا غالبًا اس نظم کے انجام سے
اس لئے شائع کرایا اس نے فرضی نام سے
بس کہ پس منظر میں ہے وہ سامنے آتا نہیں
کون گھونسہ ہے کسی نے آج تک دیکھا نہیں
ہاں! نظر آیا کبھی تو صفحۂ اخبار پر
طنز کے فقرے اچھالے صاحبِ کردار پر
کس طرح ظاہر ہوئی اس کی خباثت دیکھئے
ابنِ آدم کو لکھا ’’کتّا‘‘ رذالت دیکھئے

شہر میں اس نظم نے کہرام برپا کردیا
مندمل زخموں کو صد افسوس تازہ کردیا
ہر گلی کوچے جب ہونے لگی یہ گفتگو
کون گھونسہ ہے ، ہوئی اس کی تلاش وجستجو
چور کی داڑھی میں جب تنکے نظر آئے ادھر
تاڑنے والے تو رکھتے ہیں قیامت کی نظر
دھر دبوچا بیچ چوراہے پہ وقعت ناپ دی
یعنی میزانِ شرافت پر شرافت ناپ دی
حضرتِ گھونسہ کی اتنی عزت افزائی ہوئی
گالیوں سے، لات مکّوں سے پذیرائی ہوئی
بھیڑ کے ہاتھوں سنا ہے بامراد ایسے ہوئے
دن میں ہی علاّمہ کو تارے نظر آنے لگے
اتحادِ باہمی کو جو بھی نکلے روندنے
پہلے واقف ہولے وہ انجام عبرتناک سے

مشورہ یہ ہے کہ خود کو موردِ لعنت نہ کر
بانٹنے کی قوم کو تا زندگی جرأت نہ کر
آ! کہ گھونسہ تجھ کو دیتا ہوں ترے یہ آئینے
تا کہ ان آئینوں میں اپنا بھی چہرہ دیکھ لے
کس طرح کے کام میں رہتا ہے ہر دم مبتلا
جانتا ہے شہر دربھنگہ کا ہر چھوٹا بڑا
چمچہ گیری چاپلوسی تیری فطرت میں رہی
خود فروشی کی تمنا تیری عادت میں رہی
لیڈروں کی جوتیوں کا جب سے کچھ صدقہ ملا
شہر کے افراد کو نیچا دکھانے میں لگا
بال بیکا بھی نہ کر پایا کسی کا آج تک
ہر جگہ خود ہی ہوا لیکن تو رسوا آج تک
محفلِ شعروسخن میں تونے شرکت کے لئے
منتظم کے تلوے چاٹے تو نے دعوت کے لئے

حلقۂ اربابِ فن میں کیا ہے تیری آبرو

بِن بلائے بھی کئی جگہوں پہ جا ٹپکا ہے تو

بر سرِ اجلاس بنتا ہے بڑا خود دار بھی

بیچتا ہے کوڑیوں کے مول تو اشعار بھی

چال تو چلتا رہا ہے شاطر وعیار کی

کیا مناسب ہے کرے باتیں بھلے کردار کی

گود میں تیری ادب کے چور پلتے ہیں کئی

ان کا پردہ فاش کرنے کا خیال آیا کبھی؟

اور تو خود بھی ہے کیا دنیا کو بتلا دے ذرا

محفلِ شعروسخن میں کیا ہے تیرا مرتبہ

آج تک ہر آن تو دلدادۂ سرقہ رہا

عارضہ شہرت کا تیری ذات کا حصہ رہا

بانس کو کیا دیکھتا ہے پیپل اور برگد کو دیکھ

اوروں کو مت دیکھ اپنے شاعرانہ قد کو دیکھ

علم ہے کچھ تو دکھا فہم و فراست کی جھلک

گاہے گاہے کیوں دکھاتا ہے جہالت کی جھلک

اہلِ دانش کی نگاہوں میں تو نامنظور ہے

کیوں کہ سرتاپا ادب کے جسم پر ناسور ہے

عافیت ہے اس میں ہے تو اب راہ لے بن باس کی

بند ہونے کو ہے تیری یہ دکانِ شاعری

☆☆

جارج بُش کے منہ پر جوتا

جب سپر طاقت کے منہ پر دفعتاً وہ جا لگا
ایک معمولی سا جوتا غیر معمولی ہوا
جس گھڑی اس چہرۂ ملعون پر جوتا پڑا
دیکھ کر یہ منظرِ خوش کن زمانہ خوش ہوا
تو کہ ''بُش'' جس حیثیت کا ہے وہی تحفہ ملا
تجھ کو تیرے کارناموں کا صلہ اچھا ملا
شرم کچھ ہوتی اگر تو کر گزرنا چاہیئے
چلّو بھر پانی میں فوراً ڈوب مرنا چاہیئے
اس طرح کا واقعہ خود انکشافِ ذات ہے
اہلِ دنیا کی نظر میں کیا تری اوقات ہے
تیری کرتوتوں سے زخمی ہر دلِ انسان تھا
تا ابد تجھ پر رہے گا لعنتوں کا سلسلہ
ظلم سے جتنے مرے ان عورتوں مردوں کا خون
تیری گردن پر رہے گا لاکھوں انسانوں کا خون

نوچ ڈالا آدمیت کی ہر اک پہچان کو
تیری سفاکی نے شرمندہ کیا شیطان کو
نشّۂ طاقت میں سر سے پاؤں تک مغرور تھا
تو مسلمانوں کے قتلِ عام پر مسرور تھا
عدل اور انصاف کے بھی نام سے عاری رہا
تیرے استبداد کا اک سلسلہ جاری رہا
آہ وزاری کے شرر سے تھے درودیوار گرم
اف! تری غارت گری کا تھا مگر بازار گرم
اک بہانہ ڈھونڈ کر تاراج کابل کو کیا
خاک میں بغداد کو تونے ملا کر رکھ دیا
مردِ آہن تھا کبھی صدّام جس کا نام تھا
اس کو بھی عیاریوں سے دار پر لٹکا دیا
بس کہ خونِ اہلِ ایماں ہی بہاتا تھا فقط
سر پہ صیہونی عناصر کو بٹھاتا تھا فقط
دامنِ جوروجفا سے دی اسے ہر دم ہوا
تیری دہشت نے بڑھایا دہشتوں کا حوصلہ

تیری گندی ذہنیت اس رنگ میں ظاہر ہوئی
دانے دانے کو ترستے ہیں ہزاروں آدمی

اَن گنت بمباریوں سے بے خطا معذور ہیں
بے شمار اب مانگنے پر بھیک تک مجبور ہیں

بے گناہوں کا لہو کچھ رنگ لائے گا ضرور
ایک دن انجام تک اپنے تو جائے گا ضرور

اجتماعِ خاص میں اک فرد سے جوتا ملا
جاتے جاتے یہ بڑا انمول نذرانہ ملا

جلد ہی تو دیکھنے والا ہے وہ ایام "بُش"
اہلِ دنیا جب کہ جوتوں کا رکھیں گے نام "بُش"

ہمت وجرأت کا اس نے کردیا اونچا مقام
منتظر زیدی[1] کو دنیا پیش کرتی ہے سلام

☆☆

[1] عراق کا وہ نوجوان جس نے جارج بُش کے منہ پر جوتا مارا تھا۔

مردِ جواں جاتا رہا

(وفات۔۱۵؍دسمبر۲۰۰۷ء)

الحاج عبدالخالق میرے چچازاد بھائی اور بچپن کے ساتھی تھے اچانک ان کی وفات پر یہ چند اشعار قلم برداشتہ آگئے۔

عبدِ خالق چارہ سازِ بیکساں جاتا رہا
فصلِ گل میں بلبلِ شیریں دہاں جاتا رہا

پندرہ تاریخ کو ماہ دسمبر سات کی
خاک کے بستر پہ ملّت کا نشاں جاتا رہا

لالہ زارِ شادمانی کو تھا جس پر ناز وہ
باغ کو نم دیدہ کرکے باغباں جاتا رہا

محفلِ احباب میں کہرام برپا ہوگیا
درمیاں سے افتخارِ دوستاں جاتا رہا

مشکلاتِ زندگانی سے دلیرانہ لڑا
مات کھاکر موت سے مردِ جواں جاتا رہا

اب اچانک کس لئے تبدیلیٔ حالات ہے
اختلافوں کا ہر اک دل سے دھواں جاتا رہا
ایک چبھتا سا سوال اٹھتا ہے سب کے ذہن پر
ضبط و استقلال کا پیکر کہاں جاتا رہا
چہرۂ افراد بتھیا پر ہے صدمہ آشکار
گاؤں کا ناگاہ فردِ مہرباں جاتا رہا
دور تھی منزل ابھی افسوس دورانِ سفر
کارواں کا خود امیرِ کارواں جاتا رہا
دوسروں کے دکھ میں کام آنے کی رغبت تھی جسے
آہ! وہ انسانیت کا رازداں جاتا رہا
عہدۂ مکھیا یہ شہزادی[1] کو تنہا چھوڑ کر
دفعتاً چپکے سے ان کا پاسباں جاتا رہا
ٹوٹ کر آیا علاقہ آخری دیدار کو
دارِ فانی سے خلوصِ بیکراں جاتا رہا

[1] ان کی اہلیہ کا نام جو اس وقت مکھیا تھیں۔

یکہتہ و اطراف پر منظوم اظہارِ تاثر

گاؤں یکہتہ کہ جو اطراف میں مشہور ہے
فرد فرد اس گاؤں کا خوشحال ہے مسرور ہے
علم و دانش کا وہ گہوارا ہمیشہ سے رہا
مایۂ تعلیم کا دلدادہ ہر چھوٹا بڑا
ڈاکٹر انجنیر اور عالم و فاضل ہوئے
اپنے اپنے علم وفن میں سب کے سب کامل ہوئے
حافظ و قاری ادیب وشاعر ومضموں نگار
زندگی کے مختلف میدان میں ہیں بے شمار
ہم بھی بچپن میں یہ سنتے تھے بزرگوں کا بیاں
حافظِ قرآن ہوتی ہیں وہاں کی مرغیاں
اس کتابِ تذکرہ سے آج یہ عقدہ کھلا!
جو سنا تھا ہم نے وہ صد فی صد افسانہ نہ تھا!!

وقت کے اہلِ نظر اس خاک سے پیدا ہوئے
ان گنت لعل و گُہر اس خاک سے پیدا ہوئے
ہے مثال اک سامنے تصنیف کی دہلیز پر
نوجواں اہلِ قلم سلطان ندوی[1] جلوہ گر
یہ بھی یکہتہ ہی کے چشم و چراغِ وقت ہیں
علم ودانش کے جہاں میں مستند یک لخت ہیں
صفحۂ قرطاس پر تاریخ ندوہ آگئی
ہے منور کی سراسر کاوشوں کی روشنی
عورتوں کے جب مسائل پر قلم ان کا اٹھا
خوب تر علمی بصیرت کا ثبوت اس سے ملا
ان کتابوں کی پذیرائی سے پاکر حوصلہ
اپنے قصبے اور علاقے کو اجاگر کردیا
دل میں جو اُٹھتی رہیں ان خواہشوں کا فیض ہے
تین برسوں کی مسلسل کاوشوں کا فیض ہے

صفحۂ ''یکہتہ واطراف'' ہی سے بالعموم
اس علاقے کے ہویدا ہوگئے ماہ و نجوم
سنگ گمنامی کے نیچے کل تلک جو تھے دبے
ان کے رشحاتِ قلم سے روشنی میں آگئے
کیا کیا، کیسے کیا، کیوں کر کیا اسلاف نے
جنبشِ خامہ سے پائی آگہی اخلاف نے
بیش وکم سارے جیالوں کا ہے اس میں تذکرہ
کشف کے حامل بزرگوں کا ہے اس میں تذکرہ
کچھ سیاست کے بھی ہیں میداں میں سرگرمِ عمل
نامساعد حالتِ طوفاں میں سرگرمِ عمل
حال وماضی میں جنہیں موقع دیئے حالات نے
کارِ مستحسن کئے چند ایک مستورات نے
اہلِ اردو دیکھتے رہتے تھے اکثر خواب میں
ان کی تعبیریں ہیں سب متھلانچل کے باب میں

چارسو صفحات پر ہے مشتمل پوری کتاب
اور تصویریں بھی آخر میں کئی ہیں لا جواب
الغرض مشکل جو تھے آساں ہوئے اب راستے
سب ذخیرے اک جگہ ہیں جمع تحقیقات کے
کلمۂ تحسین کی آواز ہر جانب اٹھی
دل سے دیتے ہیں مبارکباد ندوی کو سبھی
نت نئے عنوان کی بس جستجو کرتے رہیں
اور اسی آبِ تجسس سے وضو کرتے رہیں
سایہ افگن ہیں دعائیں باکمال استاد کی
ہم جلیسی ہے میسر ہم وطن نوشاد کی
گلستانِ فکر میں غنچہ نیا کھلتا رہے
روز افزوں ہے دعا زورِ قلم بڑھتا رہے

☆☆

محمد شفیع بیرسٹر

انجم خدائے پاک کی حمد وثنا ء کے بعد
پڑھ کر درود دل میں شہِ دوسرا کے بعد
اُن پر لکھو کہ جن پہ زمانے کو ناز تھا
اپنے کا ذکر کیا ہے بگانے کو ناز تھا
گم ہو کے اپنی ذات میں ہے یوں تو فرد فرد
جیتا ہے دوسروں کے لئے وہ ہے اصل مرد
انجام دے جو قوم کی خدمت کہاں نصیب
حصے میں آئے سب کے یہ دولت کہاں نصیب
لاکھوں میں انتخاب کسی ایک کا ہوا
ایثار لا جواب کسی ایک کا ہوا
ایسی ہی شخصیت تھی جنابِ شفیعؔ کی
ان پر ہی اختصار میں ڈالوں گا روشنی
جس سرزمین پر وہ قمر رونما ہوا
یکہتہ گاؤں جائے ولادت ٹھہر گیا

کہتے ہیں وہ بڑا ہی سعادت کا سال تھا
اٹھارہ سو اٹھاسی ولادت کا سال تھا
اطراف کے رئیسوں میں اونچا مقام تھا
رحمان بخش والدِ ماجد کا نام تھا
خوشحال خاندان میں پیدا ہوئے شفیع
اطوارِ سادگی کے طرفدار تھے شفیع
پھولوں کی آرزو میں وہ گلشن تلک گئے
تحصیلِ علم کے لئے لندن تلک گئے
لوٹے وطن تو جورِ فرنگی کو دیکھ کر
آمادۂ جدال ہوئے قصہ مختصر
انگریزوں کے خلاف بغاوت کی دیش میں
تحریک چل رہی تھی خلافت کی دیش میں
اس میں بھی رائے عام سے یہ طے کیا گیا
ان کو ہی صدر ضلع کا عہدہ دیا گیا

سفاکیٔ فرنگی کو سہنے کے واسطے
تحریک سے علاحدہ رہنے کے واسطے
منصوبے اہلِ شہر میں ایسے رچے گئے
سونے کی تھالیوں میں تحائف دیئے گئے
لیکن جو راہ چل پڑے کب ہٹنے والے تھے
میدانِ کارزار میں وہ ڈٹنے والے تھے
غیرت تھی وہ کہ ایسی جوانی نہ تھی پسند
ان کو فرنگیوں کی غلامی نہ تھی پسند
اس طرح اپنے عزم کا اظہار کردیا
تحفے انھوں نے لینے سے انکار کردیا
پھر یہ ہوا غلامی کی زنجیر کٹ گئی
آزادیٔ وطن کی فضا لہلہا اٹھی
انگریزوں کے عناد کا ایسے دیا جواب
واپس وہ کرکے ''خان بہادر'' کا بھی خطاب

باخلق اہلِ علم کا اکرام بھی کیا
تشہیر علم وفن کے لئے کام بھی کیا
چوٹی کے رہنماؤں سے وابستگی رہی
دانشورانِ وقت کی ہم سائیگی رہی
جن کا کہ ان کی ذات سے رشتہ جڑا رہا
معروف ہستیوں میں شمار ان کا بھی ہوا
احرار پارٹی کی قیادت قبول کی
کچھ روز لیگ کی بھی صدارت قبول کی
لمحوں کے انقلاب نے جب راستہ دیا
تب کانگریس نے انہیں صد مرحبا کہا
باون میں جب اتارا انہیں کانگریس نے
صوبائی انتخاب میں وہ چن لئے گئے
تعمیر کے وزیر تھے سنہا کے دور میں
آیا نہ کوئی فرق مگر ان کے طور میں

کبروغرور کے رہے سایے سے دور دور
عجز وخلوص کا رہا دل میں سدا وفور
جیسے چراغ گل ہو پتنگوں کو چھوڑ کر
حضرت شفیع سارے عزیزوں کو چھوڑ کر
سرسٹھ برس کی عمر کے زینے پہ جب گئے
چپ چاپ اپنے ربِ حقیقی سے جا ملے
جس عہد میں بہار کے سینئر وزیر تھے
اس درمیاں ہی راہیٔ ملکِ عدم ہوئے
دربھنگہ لاش پٹنے سے آئی شفیع کی
پہلے یہاں نمازِ جنازہ ادا ہوئی
یکہتہ میں دوبارہ جنازہ پڑھا گیا
اور پھر وہیں کی خاک میں دفنا دیا گیا
محبوب ہر نظر میں بِلا امتیاز تھے
حق مغفرت کرے کہ بڑے حق نواز تھے

جاتے ہیں سب جہاں سے مگر صاحبِ کمال
کچھ کارنامے چھوڑ کے جاتے ہیں لازوال

ایسے ہی باکمال جنابِ شفیع تھے
اپنے نقوش چھوڑ کے روپوش ہوگئے

ہر گوشۂ حیات دکھانا محال ہے
اشعار کے ذریعہ نبھانا محال ہے

شخصیتِ شفیع کا تھوڑا ظہور ہے
تاریخ گو نہیں ہے تعارف ضرور ہے

تعلیم یافتہ تھے بڑے علم دوست تھے
جویائے علم و فن کو سدا حوصلے دیئے

ناخواندگی کے نقش مٹائے دیار میں
تعلیم کے چراغ جلائے دیار میں

الفت میں اپنی قوم کی سرشار تھے بہت
ہر دم فروغِ علم کو تیار تھے بہت

اپنی کمائی کا تو ادھیلا نہیں رکھا
سب تشنگانِ علم کے مصرف میں دے دیا

وہ صاحبِ کمال کہ منزل کہو جنہیں
قوم و وطن کے رنج میں بسمل کہو جنہیں

اس سادگیٔ زیست پہ قربان جایئے
تازندگی مکیں رہے کچے مکان کے

ایقان کی صفت سے عبارت حیات تھی
ان کی تو ذات سر بہ سر اک کائنات تھی

دانش کدوں سے بس کہ محبت رہی سدا
ترویج علمِ دین کی چاہت رہی سدا

''مسلم شفیع'' نام سے اسکول یادگار
جس کی ہے بوئے علم سے دربھنگہ مشک بار

ڈی،ایم،سی،ایچ کے نام سے جو آج ہے یہاں
اس میڈیکل کے رکن تھے ملّت کے پاسباں

ممبر ''یتیم خانہ'' کے وہ بدر کچھ دنوں
نائب ''حمیدیہ'' کے رہے صدر کچھ دنوں
اتنی طویل ان کے ہے احباب کی قطار
ممکن نہیں کہ سب کا ہو اشعار میں شمار
کچھ ہستیوں کا ذکر مگر ناگزیر ہے
جیسے کہ شام ہو تو سحر ناگزیر ہے
عبدالعلیم آسیؔ و خالق خلیقؔ تھے
محمودؔ اور بیدلؔ و ندویؔ رفیق تھے
عبدالجلیلؔ اور شری نندنؔ بھی دوست تھے
مقبولؔ اور مطیعؔ بھی موہنؔ بھی دوست تھے
دانشوروں کی صف میں قمراعظمیؔ بھی تھے
احباب کی قطار میں اک جانکیؔ بھی تھے
سر یونسؔ و عزیزؔ کا طے کیا کروں مقام
ان کے رفیقِ خاص میں تھے سرعلیؔ امام

مشہور ہے کہ سب سے جدا تھے فداحسینؔ
ذاتِ شفیعؔ پر تو فدا تھے فداحسین
اہلِ سیر کو زندہ بناتی ہے زندہ قوم
ان کے نقوش دل میں سجاتی ہے زندہ قوم
ذروں کو یاد کرتے ہیں تاروں کو بھول کر
ہم مطمئن ہیں اپنے بزرگوں کو بھول کر
گو روشنی پڑی ہے مقامِ شفیعؔ پر
بنی پٹی کی روڈ ہے نامِ شفیعؔ پر
دربھنگہ سے کھٹونا کی بھی راہِ عام پر
تعمیر ہو چکا ہے ''دوار'' ان کے نام پر
ان سب کے باوجود کھٹکتی ہے یہ کمی
شخصیتِ شفیعؔ اجاگر نہ ہو سکی
لازم ہے اہلِ علم پر ایسا وہ کچھ کریں
للہ ان کے کاموں کو افشا وہ کچھ کریں

ممدوح کے ہیں جو بھی عزیزانِ محترم
اس راستے میں پہلے اٹھائیں وہی قدم
جو کارنامے کرکے گئے ہیں جہان سے
ان کو سنائیں آپ قلم کی زبان سے
گمنامیوں کی کھائی سے ان کو نکالئے
کتنے عظیم تھے وہ جہاں کو بتایئے
متھلانچل کو فخر یہ حاصل نہ ہو سکا
ان کا نہ جانشین کوئی آج تک ہوا
اللہ اک شفیع سا کوئی سپوت دے
ملّت کی ناخدائی کا جو کچھ ثبوت دے

☆☆

خورشید ضوفشاں وہاب اشرفی

وّہاب اشرفی ہیں وہ خورشید ضوفشاں
ہیں تابناک جن سے کہ اردو کی بستیاں
تحقیق و جستجو کی کڑی دھوپ میں رہے
ان کاوشوں کا سارا زمانہ ہے قدرداں
اردو زبان کی لکھ گئے تاریخ مستند
حاصل ہوئی ہے جس سے انہیں عمر جاوداں
رکھے گا جب کہ مومن کامل کی طرح سے
''قرآن کا مطالعہ'' محشر میں شادماں
اک دو نہیں ہیں بلکہ تصانیف درجنوں
آتی ہیں اس طرح کی نظر چند ہستیاں
خاطر میں اچھے اچھوں کو لائے نہ تاحیات
نقد و نظر کے فن میں تھے وہ پیکر جواں
تدبیرِ نو سے معرکے ایسے کئے ہیں سر
اکثر شکست کھاتی ہے عقل و خرد جہاں

کچھ اختلاف رکھتے ہیں لیکن ہے یہ بھی سچ
اہلِ قلم ہیں بیشتر ان کے سپاس خواں

ہو جاتی سامعین پر اک محویت سوار
تقریر میں کچھ ایسی تھیں جادو بیانیاں

تحریر وہ کہ موتی کتب میں پرو دیئے
جملوں کے لفظ لفظ سے معنی کئی عیاں

اطوار کہہ رہیں ہیں کہ تازندگی رہے
اسلاف کی روایت و عظمت کے پاسباں

لیکن ہے اشرفیؔ کے یہ اخلاص کی دلیل
اپنے عزیزوں پر رہے تازیست مہرباں

کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں شہرت ہوئی نصیب
اپنے پرائے سے رہے بیزار و بدگماں

ملنے کی ان سے مجھ کو سعادت ہوئی نصیب
کرتا ہوں جس پہ فخر ہمیشہ جہاں تہاں

مشتاقؔ کے خلوص نے ان سے ملا دیا!
میں ورنہ ان کو ڈھونڈنے جاتا کہاں کہاں

اس میں اترنا آپ کے امکان میں نہیں
انجمؔ ہے ذاتِ اشرفیؔ اک بحرِ بے کراں

شہسوارِ ادب

جنابِ ظفر حبیبؔ

ہیں سینکڑوں نگاہوں کے تارے ظفر حبیبؔ
پیشِ نظر ابھی ہیں ہمارے ظفر حبیب

بیگوسرائے ضلع کا زرخیز گاؤں ہے
لکھمنیاں جو علوم کی اک ٹھنڈی چھاؤں ہے

پیدا ظفر حبیبؔ اسی گاؤں میں ہوئے
اپنے وطن کی خاک سے ہیں آج تک جڑے

دانش گہہ علوم سے جب ڈگریاں ملیں
ہر رستۂ حیات کی تاریکیاں چھٹیں

جب روشنئ علم لٹانے کی ٹھان لی
کالج سے اک برونی کے وابستگی ہوئی

پھر علمی شاہراہ سے پہنچے وہاں تلک
خوش بخت ہی پہنچتے ہیں یارو! جہاں تلک

ایم۔یو میں صدر شعبۂ اردو بھی رہ چکے
سن دو ہزار نو میں سبکدوش ہوگئے

ستّر کی ہی دہائی سے لکھنے کا سلسلہ
جاری ہوا تو آج کی تاریخ سے ملا
رکھا ہمیشہ خود کو کسی ازم سے پَرے
طئے کی جو اپنی راہ اسی راہ پر چلے
آگے ہی بڑھنے کا رہا رجحان بیشتر
پیچھے کی سمت مُڑ کے بھی دیکھا نہ بھول کر
دل سے لگاؤ اس کی ہی خوشبو سے آپ کو
شہرت ملی ہے خدمتِ اردو سے آپ کو
نقاد بھی، ادیب بھی، شاعر بھی آپ ہیں
تحقیق وجستجو کے مفکر بھی آپ ہیں
تخئیل کی جہات کا میدان ہے بڑا
اردو ادب پہ آپ کا احسان ہے بڑا
عصری ادب کی آپ کو ہے حسّیت بہت
مضموں نگاریوں سے رہی انسیت بہت
چالیس سے زیادہ کتابوں پہ تبصرے
اور یادگار تیس مقالات بھی لکھے

کچھ دوسری زباں کے فسانوں کے ترجمے
اردو نگارشات کے زمرے میں لادئے
تحریر میں نہاں ہے جو گہرائی آپ کی
کی صاحبانِ فن نے پذیرائی آپ کی
اب تک تو ان کی چار تصانیف چھپ چکیں
جن کی صدائیں سرحدِ امکان تک گئیں
آیا ہے اب قلم پہ جوانی کا بانکپن
تخلیقیت کی راہ پہ رہتے ہیں گامزن
شعری تخیلات بڑے دل نواز ہیں
تنقید کی جہات حقیقت فراز ہیں
اہلِ قلم نے خوب سراہا ہے آپ کو
اونچا مقام ادب میں دلایا ہے آپ کو
تحسین کے خزانے بہر سمت سے ملے
ایوارڈ کچھ اداروں نے اخلاص سے دئے
تا زیست یوں ہی کرتے رہیں خدمتِ زباں
اللہ کرے طویل تر ان کی ہو داستاں

ڈاکٹر عالمگیر شبنمؔ کو قومی ایوارڈ ملنے پر

سبھی نازاں بہر جانب ہیں عالمگیر شبنمؔ پر
فدا ہیں خود مہہ وخورشید بھی تنویرِ شبنمؔ پر

لیاقت آدمی کی بار آور ہو کے رہتی ہے
خلوصِ دل کی کھیتی بار آور ہو کے رہتی ہے

غبار آلودہ ہو پھر بھی کبھی پہچان لیتے ہیں
گہر کی قدر و قیمت جوہری پہچان لیتے ہیں

بحمداللہ علومِ دین کے لہرادیئے پرچم
مبارک آپ کو یہ نیشنل ایوارڈ اے شبنمؔ

شرافت بھی فراست بھی عطا کی اورعزت بھی
خدا نے آپ کو بخشی تدبر کی امانت بھی

ہوئی مانا بڑی تاخیر سے توقیر دانائی
نوازا تو مگر تقدیر نے انعامِ تدریسی

مسرت خیز مژدہ کی شعاعِ دلربا پہنچی
کہ گلزارِ تعلّم میں بہارِ جاں فزا پہنچی

مجھے معلوم ہیں احوال استادِ مدارس بھی
کہ میں برسوں رہا اس وادیٔ پُرخار کا راہی

مسائل کی سدا افواج کی یلغار رہتی ہے
سلوکِ نا روائے وقت سے تکرار رہتی ہے

مگر ان نا مساعد حالتوں کی فوج سے لڑ کر
کیا تعلیم کے معیار کو ہر حال میں بہتر

ہوئے ہیں طالبانِ علم سب آسودہ حال اب تک
جتن سے اس ہنر کو آپ نے بخشا کمال اب تک

ارادہ کامرانی کا ہمیشہ جادہ پیما ہو
تمنا ہے کہ اعزازات میں کچھ اور اضافہ ہو

☆☆

مرثیۂ علامہ گھونسہ دربھنگوی

اے رفیق انجم یہ کیسا تو نے گھونسہ جڑ دیا
حضرتِ گھونسؔہ سے اپنا شہر سونا ہوگیا

یہ حقیقت ہے سرے سے چہرۂ موہوم تھے
مرتے مرتے بھی نہ اپنے شہر میں دیکھے گئے

وقفہ وقفہ سے فقط اخبار میں آتے رہے
معتمد افراد کی تحقیر فرماتے رہے

آہ! دیرینہ روایاتِ حماقت سے گئے
اب تو خبروں میں بھی ہم ان کی زیارت سے گئے

دو برس کی مختصر سی بس علالت میں رہے
جلد بازی تھی جہاں سے جانے کی سو چل بسے

مرثیہ اس ناگہانی موت پر لکھنا پڑا
آنجہانی کے لئے اظہارِ غم کرنا پڑا

جب سے علامہ ہوئے ہیں راہیٔ ملکِ عدم
شادماں ہیں اہلِ دربھنگہ تبھی سے بیش و کم

بغض وکینہ کا تھا بحرِ بیکراں مرحوم میں
جو بھی کہیئے ان گنت تھیں خوبیاں مرحوم میں

ابنِ آدم کو کوئی لکھے گا ''کتا'' کیا مجال
صرف علامہ ہی کو حاصل رہا ہے یہ کمال

حضرتِ والا کی ذاتِ پاک با برکت رہی
نوٹ لے کر نظم لکھنے کی تو اک صنعت رہی

شادیوں میں دی گئی دعوت گویّا جان کر
پوٹلی بھرکر نچھاور لے کے لوٹے بیشتر

گن کے لیتے تھے تراویحوں کے پیسے برملا
کم رقم ملنے پہ ہوتے تھے مصلّی پر خفا

دی کتاب اعزاز میں ان کو کسی نے بھول کر
بیچ ڈالا کوڑیوں کے مول کہیئے الحذر

ارتباطِ باہمی کی تیغ سے گھائل نہ تھے
اور زمینی شاعری کرنے کے بھی قائل نہ تھے

روز فرماتے کہ عالمگیر شہرت ہے مری
حرج کیا ہے؟ اپنے گھر میں کچھ ملامت ہے مری

جب خبر ملتی فلاں لیڈر کی آمد ہے یہاں
لکھ کے پہلے ہی قصیدہ جیب میں رکھتے نہاں
اپنی شہرت لیڈروں کی جوتی کا صدقہ لکھا
جگنوؤں کو نیّرِ تاباں اک ہم پلّہ لکھا
شاعری کے فلڈ میں تمغات بھی حاصل کئے
کر کے درباری کچھ اعزازات بھی حاصل کئے
فخر سے تاریکیوں کو روشنی کہتے تھے آپ
مدح خوانی کو وقارِ شاعری کہتے تھے آپ
نام گویانِ قصیدہ میں لکھانے کے لئے
زندگی کے آخری دن تک قصیدے ہی لکھے
کیسے ہوگا کون راضی پر زیادہ زور تھا
شاعری پر کم ریاضی پر زیادہ زور تھا
گرد اسی کے گھومتی ہے آگہی مرحوم کی
جوڑ کی تقسیم کی ہے شاعری مرحوم کی

غور سے بسیار گوئی کے فوائد دیکھئے
ہیں فصاحت کے دھنی کتنے قصائد دیکھئے
گو کہ لفظوں کے برتنے میں بڑے محتاط ہیں
آپ کی نظمیں مگر مجموعۂ اغلاط ہیں
شاعری کے فن پہ ایسی دسترس حاصل رکھی
طائرانِ فن کو بس راہِ قفس حاصل رہی
اتصالِ ہائے ہوّز ہائے حطّی بھی روا
عین کا بھی وصل فرماتے تھے پیہم مرحبا
خاکساری میں حدِ میدان سے باہر لکھا
نام جس کا بھی لکھا اوزان سے باہر لکھا
تاہم اپنے گرگوں سے کہتے قصیدہ ہی لکھو
دسترس حاصل تمہیں بحروں پہ چاہے ہو نہ ہو
روبہ صحت ہوگئے چند اک مریضانِ ادب
صاحبِ دیوان ہیں وہ صرف حضرت کے سبب

☆☆

ایک نیتا کا انتخابی جلسہ سے خطاب

بھائیو ، بہنو ، سبھا میں سب اُپستھت سجّنو!
ہم جو کہنے جا رہے ہیں غور سے اس کو سنو
ووٹ دے کر آپ لوگوں نے جتایا تھا ہمیں
ایم۔پی صاحب کے لقب سے بھی نوازا تھا ہمیں
شکریہ اس کے لئے دل سے گوارا کیجئے
آپ نے جو بھول کی تھی پھر دوبارا کیجئے
کیوں کہ موجودہ سیاست میں کھرے اترے ہیں ہم
جھوٹ، گھپلے اور خیانت میں کھرے اترے ہیں ہم
خوب خوب اپنا نبھایا ہم نے فرضِ منصبی
جو جہاں کرنا ہوا کچھ بھی نہ کی اس میں کمی
رشوتوں کی گرم بازاری ہماری دین ہے
یہ غریبی اور مہنگائی ہماری دین ہے
کون کہتا ہے کسی کا قتل کروایا نہیں
جب کبھی موقع ملا جنتا کو مروایا نہیں

اپنی تقریروں میں کرکے اشتعال انگیزیاں
مختلف جگہوں پہ چلوائی ہیں اکثر گولیاں
بڑھ کے دنگے کو ہوائیں ہم نے دیں سن لیجئے
حملہ آور کو پناہیں ہم نے دیں سن لیجئے
ہندو مسلم تھام کر تھے ایکتا کی رسیاں
پھوٹ ڈالی صرف ہم نے گھُس کر ان کے درمیاں
دھرم اور بھاشا کی دیواریں کھڑی کیں ہر جگہ
نفرتوں کی کھائیاں ہم نے بڑھائیں ہر جگہ
شہر میں دیہات میں خونریزیاں ہم سے ہوئیں
سینکڑوں ودھوا وطن کی ناریاں ہم سے ہوئیں
مبتلائے غم ہوئے تھے مردوعورت یاد ہے
بربریت کے شکنجے میں تھا بھارت یاد ہے
مندر و مسجد کو ڈھانا کیا تمہارے بس میں تھا
نیائے کی دھجی اڑانا کیا تمہارے بس میں تھا
سورت ومیرٹھ ، علی گڑھ ، دلی ومیسور کو
حشر تک بھولے گا کوئی خونِ بھاگلپور کو

پے بہ پے یارو متاعِ زندگی جلتی رہی
ایک دو دن کیا مہینوں ممبئی جلتی رہی
اپنی کرتوتوں سے شرمندہ کیا شیطان کو
باڑھ پیٹا میں جلایا سینکڑوں انسان کو
پورے ہندوستان میں ہے کوئی شہر ایسا نہیں
جس کی دہلیزوں پہ دنگے کا قدم پہنچا نہیں
اس کا ثانی پاؤگے تاریخ کے صفحات پر
داغ جو ہم نے لگایا دامنِ گجرات پر
پیٹ سے بچّہ نکالا آگ میں جھونکا اسے
کام معمولی تھا یہ انصاف سے کوئی کہے
پھر بھی ہم سے لوگ کرتے ہیں شکایت برملا
تم نے اے ''ایم۔پی'' بتاؤ اتنے دم میں کیا کیا
اتنی کم مدت میں کتنے کام کرتے دوستو
آسمانوں پر اٹھا لے جاتے بھارت ورش کو
پانچ برسوں میں جو ممکن ہو سکا سب کردیا
حوصلہ آئندہ بھی کرنے کا ہے کیجئے دعا

ہو نہ پایا ''کھید'' ہے کچھ یوجناؤں پر عمل
آپ کی ''کرِپا'' ہوئی تو پوری ہو جائیں گی کل
سنتے ہیں کچھ پل ابھی ہیں اچھی حالت میں کھڑے
ان کا قصہ پاک کردینے کا موقع دیجئے
آپ ہی کہئے ادھورا کام کیوں کر چھوڑ دیں
جو سڑک ٹوٹی نہیں ہے کس کے اوپر چھوڑ دیں
یہ گرانی بھی بھلا کوئی گرانی ہے ابھی
دیش میں کچھ اور مہنگائی بڑھانی ہے ابھی
دھارمک استھل کہ جو ڈھینے سے ''ونچت'' رہ گئے
لاکھ سے اوپر مکاں جلنے سے ''ونچت'' رہ گئے
ہم معافی چاہتے ہیں بھائیو! اس کے لئے
آپ لوگوں سے نِویدن ہے چھما کردیجئے
ہر شکایت دور ہوگی آزما کر دیکھئے
ایک ''جُٹ'' ہو کر دوبارہ پھر جتا کر دیکھئے

☆☆

عہدِ نو کی بیٹیو!

سوزشِ حالات نے مجبور کچھ ایسا کیا
چلتی پھرتی میّتوں پر نوحہ خواں ہونا پڑا
اعتراف اس کا مجھے بھی ہے کہ لہجہ سخت ہے
مبنیٔ بر حق بیاں کردہ مگر یک لخت ہے
منہدم ہوتے ہوئے اقدار کی دیوار کو
کب تک ان دیکھی کروں اے عہدِ نو کی بیٹیو!
کھائیوں کے راستے پر چل پڑی ہو ان دنوں
قوم کو شرمندہ کرنے پر تلی ہو ان دنوں
فاطمہؓ کی عظمتِ ناموس کا احساس ہے؟
کچھ چراغِ دین کے فانوس کا احساس ہے؟
رابعہ بصریؒ، سنا کرتے ہیں وہ خاتون تھیں
جو دیارِ زہد میں مردو ں پہ سبقت لے گئیں

دو ہی پر موقوف کیا؟ گزریں ہزاروں با صفا
پاک دامانی سے جن کی قوم کا رتبہ بڑھا
آج لیکن وقعتِ اسلاف خاکستر ہوئی
اس مہذب دور میں بس رہ گئی آوارگی
کل بنوگی ماں بتاؤ کھول پاؤ گی زباں
جب تمہاری ہی ڈگر پر چل پڑیں گی بیٹیاں
تُل گئی ہو کھوکھلی بنیاد کرنے کے لئے
آنے والی نسل کو برباد کرنے کے لئے
زیب دیتا ہے کہ خود کو طنز کا محور کرو
بر سرِ راہِ گزر باتیں موبائل پر کرو
فلم، ٹی وی اور موبائل کا ہی جادو سر بسر
چڑھ کے سر پر بولتا ہے ان دنوں چاروں پہر
فلم کے ہیرو ہیروئن سے تو واقف ہو ضرور
نام اصحابِ نبیؐ پر ٹوٹ جاتا ہے غرور

کالج اور اسکول سے تحریک ملتی ہے یہی

جگ ہنسائی کی روش ٹھہری ہے تم پر لازمی

ڈوب مرنے کے سوا چارہ بچا کوئی کہو؟

قوم کی اس سے زیادہ خواری کیا ہوگی کہو؟

دخترِ ملّت کسی اغیار کی بیوی بنے؟

توڑ کر مسجد سے رشتہ جانبِ مندر چلے

سچ بتاؤ عصمت وعفت تمہاری کیا ہوئی؟

جو پڑی گھٹّی میں تھی غیرت تمہاری کیا ہوئی؟

چھوڑ کر اپنا ٹھکانا در بدر جانے لگیں

انتہا یہ ہے کہ تم غیروں کے گھر جانے لگیں

احترام اس کا جو تھا نیلام ہو کر رہ گیا

آج برقع شہر میں بدنام ہو کر رہ گیا

کیوں کہ وہ جانے لگا ہوٹل کی جانب بے خطر

دامنِ عفّت کی خود دھجّی اڑانے الحذر

روز اپنی کیلنک کا وہ بھی منظر دیکھ کر

دانتوں میں انگلی دبالیتی ہیں لیڈی ڈاکٹر

با خبر ہیں باپ ماں جاتی کہاں ہیں بیٹیاں

روک پانے کی مگر ان میں ہے اب ہمت کہاں؟

ہے بہت نازک گھڑی اب بھی تدارک کیجئے

سر سے اونچا ہو گیا پانی تدارک کیجئے

گھر کے ذمے دار اپنے گھر کی نگرانی کریں

ورنہ اپنی ذلت و خواری پہ آمادہ رہیں

☆☆

اینٹ سونے کی

تین سوداگر چلے سوداگری کے واسطے
آرزوئے نفع اپنے گوشۂ دل میں لئے
اس زمانے کا سفر جوکھم بھرا اک کام تھا
جان پر لمحہ بہ لمحہ خطرۂ آلام تھا
بس کا موٹر کا رواج اس بزمِ امکاں میں نہ تھا
ریل گاڑی کا تصور ذہنِ انساں میں نہ تھا
پا پیادہ ہی سفر ہوتا رہِ دشوار سے
رہروِ منزل گزرتے وادیٔ پُرخار سے
قافلے کی شکل میں گھر سے نکلتے وقت لوگ
بام ودر کودیکھتے حسرت سے چلتے وقت لوگ
تینوں سوداگر انہیں پُرخار راہوں سے چلے
بچ بچا کر دور کے وہ جب قریبِ شہر تھے

اک جگہ ٹھہرے کہ تھوڑی دیر ستا لیں ذرا
چل کر آئے ہیں بہت آرام فرمالیں ذرا
کچھ نظرآیا چمکتا پاس کے کھنڈرات میں
جس طرح تارا کوئی چمکے اندھیری رات میں
بھاگ کر تینوں گئے اس کو اٹھایا ہاتھ پر
اینٹ کی ہم شکل تھی وہ چیز گویا ہاتھ پر
ایک کے بعد ایک نے دیکھا، کہا سونا ہے یہ
متفق اس سے ہوئے تینوں، کھرا سونا ہے یہ
راہ چلتے بے بہا جب دولت و ثروت ملی
شادمانی کی نہ کوئی انتہا ان کی رہی
تینوں سوداگر کے دل میں تھی مسرت اس قدر
ہوگئیں کافور راہوں کی تکانیں سربہ سر
تین حصوں میں برابر بانٹ لیں گے ہم اسے
تا کہ شکوے کی نہ گنجائش کسی دل میں رہے

ہاں! ذرا پہلے دوا کرلیں ہم اپنی بھوک کی
کھانا کھا کر ہی کریں گے کام آگے کا کوئی

اپنی مرضی سے چلا جائے کوئی ایک آدمی
شہر سے کھانے کی چیزیں لے کے آجائے ابھی

ایک بولا میں ہی جاتا ہوں اجازت دیجئے
خوردنی اشیا لے آتا ہوں اجازت دیجئے

اور وہ بازار کی جانب روانہ ہوگیا
کھانے کے اسباب لانے کا بہانہ ہوگیا

درحقیقت تینوں تھے حرص وہوس میں مبتلا
چور لالچ کا تھا ان کے خانۂ دل میں چھپا

کھانا لانے والا جب آنکھوں سے اوجھل ہوگیا
باہم ان دونوں نے آپس میں تہیہ کرلیا

جونہی وہ آئے سلادیں موت کی آغوش میں
دفن کرکے لاش کو اس خطۂ خاموش میں

کھانا جو لانے گیا اس کا یہ منصوبہ بنا
زہر کھانے میں ملا دینے سے ہوگا فائدہ

اور وہ کھانا لئے پہنچا جونہی بازار سے
کردیا دونوں نے حملہ خنجر و تلوار سے

چند لمحوں میں تڑپ کر جسم ٹھنڈا ہوگیا
اس طرح دونوں کا ایک خوابِ ہوس پورا ہوا

مطمئن اب ہو کے بیٹھے دونوں کھانے کے لئے
پہلے اپنی بھوک کی شدت مٹانے کے لئے

ایک ہی لقمہ ابھی کھایا کہ اوندھے منہ گرے
کام اپنا کر دکھایا زہر کی تاثیر نے

ایک کو مارا تو دونوں مارنے والے مرے
تینوں لالچ کے سبب انجام کو اپنے گئے

جس طرح پہلے چمکتی تھی چمکتی رہ گئی
اینٹ سونے کی قریبِ لاش رکھی رہ گئی

ایثار

اک شیر نر کہ بادشہِ وقت اسے کہو
ہیبت تھی اس کی بر نفس دشت پر سنو
بے چین تھا وہ بھوک کی شدت سے اس گھڑی
سرگرمیوں کے ساتھ تلاشِ شکار تھی
ہے خصلتِ پلنگ کہ لگتی ہے بھوک جب
اپنی دہاڑ کا وہ بٹھاتا ہے خوف تب
یکبارگی دہاڑ لگائی جو شیر نے
صحرا نشیں لرز اٹھے اس کی دہاڑ سے
باشندگانِ دشت میں اک کھلبلی مچی
ناگاہ اپنی اپنی انہیں جان کی پڑی
آوازِ خوفناک سے ڈر کر اِدھر اُدھر
سب کاٹتے تھے دشت میں چکّر اِدھر اُدھر
ہرنی بھی ایک خوف کے مارے تھی بد حواس
بھاگی تو آکے پاؤں رکے شیر ہی کے پاس

اس پر جونہی نظر پڑی اوساں خطا ہوئے
بھاگی تھی جس کے ڈر سے کھڑا تھا وہ سامنے
ہرنی بچاری جان بچانے کے واسطے
جنگل میں اپنی خیر منانے کے واسطے
بھاگی وہ الٹے پاؤں تو بس بھاگتی رہی
جس سمت اس کا سینگ سمایا نکل پڑی
پیچھے ہی پیچھے شیر تھا جاتی تھی وہ جدھر
تھک کر نڈھال ہوگئی جائے تو اب کدھر
اس کے علاوہ چارہ کوئی بھی بچا نہ تھا
اب خود سپردگی کے سوا راستہ نہ تھا
بچہ تھا اس کا پاس کی جھاڑی میں اک چھپا
اس پربھی اس کی موت کا خطرہ محیط تھا
اپنی نظر سے دیکھا جونہی ماں کا اضطراب
بچے کے دل میں بس گئے خدشات بے حساب
سوچا کہ جس نے دودھ پلا کر بڑا کیا
اس کے حقوق آج کروں کس طرح ادا

لینے کو ہے گرفت میں اب مرگِ نا گہاں
بجھنے کو ہے چراغ وجود اس کا الاماں
اس وقت اپنا فرض نبھانا ہے لازمی
مجھ کو تو ماں کی جان بچانا ہے لازمی
فوراً وہ بے تحاشہ چلا دوڑتے ہوئے
سرتا قدم تلاطمِ الفت لئے ہوئے
ہرنی کا بچہ دوستو کتنا دلیر تھا
بجلی کی طرح پل میں ہی نزدیک شیر تھا
گویا کہ رزق شیر کی صورت میں آ گیا
بچے کو چیر پھاڑ کر موذی نے کھا لیا
ایثار کے معانی بتا کر چلا گیا
دنیا سے ماں کی جان بچا کر چلا گیا
اہلِ خرد کے واسطے ہے غور کا مقام
اولاد ناخلف کے لئے عبرتِ دوام

☆☆

ایک خرگوش اور کچھوا

کوئی خرگوش جنگل میں چلا تفریح کرنے کو
کہ دیکھا دھیمے چلتے پیٹ کے بل ایک کچھوے کو
مخاطب کرکے کچھوے کو کہا خرگوش نے سن لے
زمیں پر بوجھ کی صورت رہے گا کب تلک کہہ دے
ارے بے شرم تجھ میں زندگی کی کچھ علامت ہے؟
اٹھاتا ہے قدم گن گن کے احساسِ ندامت ہے؟
کبھی میں رہ گزارِ دشت میں رفتار بھرتا ہوں
مثالِ شمس ہے روشن ہوا سے بات کرتا ہوں
پہنچتا ہوں کہیں سے میں کہیں بس آنِ واحد میں
نہیں یہ خوبیاں تجھ میں نہ شاید تیرے والد میں
سکھانے والا دنیا میں اگر کوئی نہیں ملتا
تو بتلا، ڈوب مرنے کو تجھے پانی نہیں ملتا

تجھے چیلنج کرتا ہوں کہ بس تیار ابھی ہو جا
نشانہ اک مقرر کرکے پہلے کوئی اچھا سا
وہاں پہلے جو پہنچے گا اسی کی کامیابی ہے
جو پہنچے بعد میں اپنی ہزیمت اس کو سہنی ہے
شرائط ہیں اگر منظور تو میدان میں آجا
کہ اپنی ذلت ورسوائی کے ارمان میں آجا
کہا سن کر یہ کچھوے نے بگھار اتنی نہ شیخی تو
نصیحت مان لے میری زباں پر رکھ سدا قابو
زیادہ تو نہ ہو مغرور اے نادان سرعت پر
نہیں رہتی ہے کوئی شئے ہمیشہ اپنی حالت پر
ہے جس کے فضل سے یہ تیز رفتاری تری سن لے
اسی نے کی عطا مجھ کو یہ آہستہ روی سن لے
میں اس نعمت کو ہی انمول سرمایہ سمجھتا ہوں
خدا کا شکر ادا کرنا شعار اپنا سمجھتا ہوں

بجز پھرتی کے تجھ میں اور کیا خوبی ہے بتلا دے
صفت اس کے علاوہ ظاہراً کوئی ہے بتلادے
بحمداللہ سکوں رہتا ہے مجھ کو موج دریا میں
مگر تجھ سا نہیں دیکھا کوئی ڈرپوک دنیا میں
اگر پتا کھڑکنے کی بھی تو آواز سنتا ہے
ٹھکانا چھوڑ کر اپنا کہیں مفرور ہوتا ہے
تو اپنی سرعت ورفتار پر نازاں سراپا ہے
مجھے اللہ کی ا مداد پر کامل بھروسا ہے
یہ مانا عرصۂ ہستی پر اک ناچیز ذرہ ہوں
مگر لے کر خدا کا نام میں تیار ہوتا ہوں
غرض کرکے تعین اک نشانِ خاص کی جانب
چلے دونوں مقامِ امتحانِ خاص کی جانب
پلک جھپکا کہ بس خرگوش آنکھوں سے ہوا اوجھل
ادھر کچھوا بچارا تھا بدن کے بوجھ سے بوجھل

مگر بڑھتا رہا وہ دھیرے دھیرے جانبِ منزل
کہ دورانِ سفر رکتے نہیں ہیں طالبِ منزل
کئی فرلانگ جا نکلا تو پیچھے کی طرف دیکھا
بیاباں میں نظر آیا نہ تاحدِ نظر کچھوا
دلِ خرگوش میں آیا ذرا آرام فرمالوں
ابھی آنے میں اس کے دیر ہے تھوڑا سا ستا لوں
یہ سوچا اور فوراً ایک بوڑھے پیڑ کے نیچے
جگہ بھی صاف ستھری تھی لگا آرام فرمانے
ذرا لیٹا کہ منٹوں میں وہ بحرِ خواب میں ڈوبا
ہوا لگتے ہی ٹھنڈی نیند کے سیلاب میں ڈوبا
کھلیں آنکھیں تو چاروں سمت پہلے غور سے دیکھا
کسی جانب نہ کچھوے کا کہیں نام ونشاں پایا
گماں اس کو یہی گزرا کہ ہے کچھوا ابھی پیچھے
رہے گا بالیقیں مجھ سے وہ ساری زندگی پیچھے
خوشی کے گیت گاتا چل پڑا آگے وہاں سے وہ

نہایت مطمئن تھا کامیابی کے گماں سے وہ
مقامِ آخری تک مستیوں میں جھومتے پہنچا
وہ فتح و کامرانی کا علم تھامے ہوئے پہنچا
مگر یک لخت سارے جوش اس کے ہوگئے ٹھنڈے
تصور کی بلندی سے گرا دھرتی پہ تیورا کے
نشہ سرعت کا اب اترا سرِ خرگوش سے یکسر
نظر پڑتے ہی کچھوے پر تھا پانی پانی سرتا سر
اسے جب نیند میں مدہوش دیکھا تھا تو چپکے سے
بڑی ہشیاریوں کے ساتھ کچھوا بڑھ گیا آگے
چلا دھیرے مگر دل میں ارادہ ٹھوس رکھتا تھا
کہ منزل تک پہنچنے کا وہ جذبہ ٹھوس رکھتا تھا
وہی ہوتے ہیں اپنے مقصدوں میں کامیاب اکثر
حصولِ منزلِ مقصود جن کا مرکز و محور

☆☆

گیدڑ کی ہوشیاری

پنجرے میں ایک شیر کئی دن سے بند تھا
جس کے سبب وہ بھوک سے بیتاب ہوگیا
اک راہگیر کا ہوا اس راہ سے گزر
ناگاہ اس سے شیر کی ٹکراگئی نظر
بولا وہ عاجزی سے کہ اے مردِ نیک خو
کب تک کروں سرشک مصائب سے میں وضو
اب بے بسی پہ میری ذرا رحم کیجئے
احسان آپ کا ہو ذرا کھول دیجئے
رودادِ شیر سن کے مسافر نے یہ کہا
خود پر تو اعتبارکسی کو نہ اب رہا
بھوکا ہے تو بقول ترے چند روز سے
اس قید سے نکلتے ہی مجھ کو دبوچ لے؟

کہنے لگا پلنگ کہ شیوہ نہیں مرا
وعدہ خلافیوں کا وتیرہ نہیں مرا
المختصر کہ شیر پہ وہ مہرباں ہوا
پنجرے کا تالا کھول کے اس کو رہا کیا
آزاد ہوگیا تو کہا راہ گیر سے
اپنا بھروں میں پیٹ تجھے چیر پھاڑ کے
سن کر گری مسافرِ بے کس پہ برق سی
اب بھاگ جانے کی نہ بچی راہ بھی کوئی
بولا کہ اے اسیر مصائب تجھے ہے یاد؟
کھولا ہے تیرے وعدے پہ کرکے ہی اعتماد
پھر بھی مری بس ایک گزارش پہ دھیان دے
جو حق پہ ہوگا تاکہ وہی سرخرو رہے
پہلے کسی عدیل کو سونپیں معاملہ
ہم دونوں مان لیں جو سنادے وہ فیصلہ

غصے سے لال ہوتے ہوئے شیر نے کہا
میرے خلاف کون ہے جو دے گا فیصلہ
تاہم تو اپنے دل کی تمنا نکال لے
ہو جس پہ اعتبار، کرا اس سے فیصلے
دونوں کو تھوڑی دور پہ گیدڑ نظر پڑا
آواز اسی کو دے کے مخاطب کیا گیا
جب راہ گیر نے کہا نزدیک آیئے
ہے احتیاج فیصلہ تشریف لایئے
بولا، کھڑا ہوں ٹھیک جو کہنا ہے کہہ سناؤ
سب بات سن رہا ہوں میں تفصیل سے بتاؤ
بولا وہ آدمی کہ ذرا غور سے سنو
میرا قصور کیا ہے تمہیں فیصلہ کرو
پنجرے میں تھا یہ شیر کئی روز سے پڑا
کھانے کا ذکر کیا اسے پانی نہیں ملا

روتے ہوئے سمجھ لو بصد عاجزی کہا
ہرگز تمہیں نہ کھاؤں گا وعدہ ہے باخدا
اس کی مصیبتوں پہ ترس آگیا مجھے
پنجرے کا تالا کھول دیا میں نے اس لئے
باہر اب آکے کہتا ہے تم کو ہی کھاؤں گا
اس وقت میں شکار کہیں بھی نہ پاؤں گا
بعد از رہائی اس کا یہ کہنا درست ہے؟
وعدہ خلافیوں کا وطیرہ درست ہے؟
بولا شغال بات ہے ناقابلِ قبول
برباد ہوگئے مرے اوقات سب فضول
سلطان دشت ہوگئے پنجرے میں بند کیوں
عالم پناہ نے کیا اس کو پسند کیوں
ہے ماں کا لال کون جو ہمت یہ کر سکے
پہلے ذرا حضور سے آنکھیں ملا تو لے

ہیبت سے ان کی رہتی ہے جنگل میں کھلبلی
فرماں روائے دشت کو کس نے سزا یہ دی؟
گیدڑ کے دھوبی پاٹ کو سمجھا نہیں پلنگ
توصیف میں نہاں ہے کوئی کرب کی سُرنگ
تائید اس نے کردی مسافر کی بات کی
پنجرے میں تھا میں قید کئی روز واقعی
بولا مگر شغال کہ ہوتا نہیں یقیں
یہ بات ماننے کی کسی طور سے نہیں
میں اپنی خود نگاہ سے جب تک نہ دیکھ لوں
محفوظ اپنا فیصلہ اس وقت تک رکھوں
پنجرے کے پاس سب گئے تفتیش کے لئے
منصف کے دل کو تاکہ یہ تسلیم ہو سکے
پنجرا بغور دیکھنے کے بعد بھی کہا
یہ تو بہت غلیظ نہایت ہے بدنما

اس میں تو ایک چھوٹی سی بلّی نہ گھس سکے
کس طرح اتنے تنگ میں عالی مقام تھے
پنجرے میں گھس کے شیر نے یہ صاف کہہ دیا
اس میں اسی طرح سے بہ دقت تمام تھا
گیدڑ نے پوچھا تالا تھا کوئی اگر لگا
واجب ہے میرے واسطے اس کو بھی دیکھنا
تالا لگا دیا گیا پنجرے میں جس گھڑی
گیدڑ نے راہرو سے کہا عقل کے دھنی
دانشوروں کا قول ہے معصوم پر ہے ظلم
ظالم پہ رحم کھانا تو مظلوم پر ہے ظلم!
سر سے ترے بلا ٹلی شکرِ خدا بجا!!
قسمت سے جان بچ گئی شکرِ خدا بجا!!
فوراً نکل جا سینگ سمائے ترا جدھر
تا زندگی نہ بھول کر آنا کبھی ادھر

☆☆

بے نصیب

اے عزیزو دھیان سے سننا ذرا
اک سناتے ہیں انوکھا واقعہ
کوئی لڑکا تھا کہیں اک بد معاش
تھی شرارت کی نہ اس کی انتہا
ساتھیوں سے اس کی کچھ بنتی نہ تھی
سب سے لڑنا ہی اک اس کا کام تھا
کی نصیحت بھی کسی نے تو اسے
گالیاں دے دے کے رسوا کردیا
الغرض ان حرکتوں کی وجہ سے
ہر نظر میں وہ ذلیل وخوار تھا
تنگ آکر ایک دن استاد نے
کان پکڑا اور باہر کردیا
چھوڑ کر اپنی کتابوں کو وہیں
در بدر کی ٹھوکریں کھانے چلا
خواب میں کیا دیکھتی ہے اس کی ماں
ہے اک آفت میں مرا بچہ گھرا

اک گھنے جنگل کے بیچوں بیچ سے
جا رہا ہے وہ کہیں منّا مرا
آدمی اس میں نہ آدم زاد ہے
ہر طرف اک ہو کا عالم ہے بپا
بھوک سے حالت ہے اس کی غیر الگ
پیاس سے وہ بلبلاتا ہے جدا
لڑکھڑا کر گر پڑا ناگاہ وہ
اور وہیں پھر بیٹھ کے رونے لگا
دفعتاً کچھ ڈاکوؤں نے آلیا
میرے لختِ دل کو غائب کردیا
خواب سے چونکی تو دیکھا سامنے
خون میں لت پت کھڑا ہے لاڈلا
انجمؔ خوش فکر کی اس بات کو
نونہالو ذہن میں رکھنا سدا
وقت کو خاطر میں جو لاتا نہیں
وہ سکونِ دل کبھی پاتا نہیں

☆☆

خام خیالی

اک فلسفی کو سارے زمانے کا رنج تھا
خلقِ خدا کو راہ پہ لانے کا رنج تھا
اپنے وہ اضطراب کو دل میں لئے ہوئے
اک روز جا رہا تھا بیاباں کے راستے
دیکھا کہ اک شکاری کے پھندے میں بے سبب
پنچھی کوئی نہ اور تھا مٹھو میاں تھے سب
توتوں کی بے بسی پہ خلش اور بڑھ گئی
صیّاد سے یہ پوچھا انہیں کیا کروگے جی؟
اس کا جواب تھا انہیں آکر پھنساتا ہوں
اور منڈیوں میں بیچ کے روزی کماتا ہوں
سن کر فلاسفر کا سراپا لرز اٹھا
ہر لفظ اس شکاری کا نشتر چبھو گیا
دل میں ہوا خیال حماقت کی وجہ سے
یہ ظلم ہو رہا ہے جہالت کی وجہ سے
ہتھیار علم کا اگر ان کو نصیب ہو
آکاش کی بلندی پہ عقلِ غریب ہو
حالات کے مزاج پہ ان کی نظر رہے
دشمن کی کاروائی کی ہر دم خبر رہے

عقل و خرد کی اپنی تو کھاتے ہیں اب قسم
ان کی بھلائی کے لئے سب کچھ کریں گے ہم
آزاد ہو کے یہ جو رہیں گے تمام عمر
غنچے مسرتوں کے کھلیں گے تمام عمر
دانشوری و فہم و فراست بلا کی ہے
شکلیں بتا رہی ہیں ذہانت بلا کی ہے
اپنا خود احتساب کریں گے یقین ہے
برپا یہ انقلاب کریں گے یقین ہے
صیاد سے کہا انہیں بیچو ہمارے ہاتھ
لو دام اور راہ لو گھر کی خوشی کے ساتھ
اک درسگاہ کھول کے القصہ مختصر
توتوں کو یہ رٹانے لگا لا کے اپنے گھر
"صیاد آکے جال بچھائے گا دوستو
دانے فریب کاری کے ڈالے گا دوستو
لانا شعور وعقل کو ہر وقت کام میں
پھنسنا، نہ کوئی دیکھو شکاری کے دام میں"
یہ چند لفظ ان کو رٹا کررہا کیا
اتنا ہی پھر خرید کے باشوق لے گیا
اس بات سے وہ فلسفی جب مطمئن ہوا
جنگل اب اہلِ علم سے ہوگا بھرا پڑا

اک روز پھر وہ جانبِ صحرا نکل پڑا
دیکھ آئے اپنی آنکھ سے توتوں کا مشغلہ
پہنچا وہاں تو بحر ندامت میں جا گرا
خود اپنے آپ سے وہ پشیمان ہوگیا
اس کے دل و دماغ میں ہرگز نہ تھا گماں
محنت ہماری ہوگی پرندوں پہ رائیگاں
دیکھا سبھی شکاری کے ہیں جال میں پھنسے
الفاظ بھی زباں پہ ہیں ان کی رٹے ہوئے
سوچا یہاں سے جانے کے قابل نہیں رہے
دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے
اک پیڑ پر وہ فلسفی لٹکا ہوا ملا
کاغذ پہ اس کی جیب میں لکھا ہوا ملا
”نادانوں میں ہنر کا تصور فضول ہے
تعلیم جانور کا تصور فضول ہے

☆☆

ہمت اور عقلمندی

دلچسپ واقعہ ہے سنو غور سے ذرا
اس میں تو ہوشیاری کا ہے درس اک چھپا
حجام اک چلا کسی جنگل کے راستے
ناگاہ اس کے سامنے اک شیر آگیا
کہنے لگا کہ بھوک سے بے تاب تھا مگر
روزی رساں نے وقت پہ بھیجا ہے ناشتا
اپنی خوشی کا حال بیاں تجھ سے کیا کروں
بھرلوں شکم میں تیرے کلیجے سے پاس آ
احساس خوف گوشۂ دل سے نکال کر
ہونٹوں پہ نائی نے بھی تبسم سجا لیا
نائی کے چہرے پر جو مسرت جھلک اٹھی
یہ دیکھ کر پلنگ سراپا بپھر گیا

پوچھا پٹک کے پاؤں کہ اے خانماں خراب
سر پر ہے موت اور تو مسرور ہوگیا
پہچانتا نہیں کہ مخاطب ہے تجھ سے کون
کہتے ہیں لوگ کیا مجھے ناداں ہے کچھ پتا
فرماں روائے وقت ہوں سردار دشت ہوں
حیواں ہے کیا بشر نہ مری تاب لا سکا
نائی نے سر جھکا کے کہا سب بجا حضور
تسلیم ہے مجھے بھی کہ ارشاد جو ہوا
مسرور کیوں ہوں اس کی حقیقت بھی جانئے
جو خواب تھا ادھورا مکمل وہ اب ہوا
یعنی چلا تھا گھر سے لئے آرزو یہی
اک اور شیر مجھ کو ملے اے مرے خدا
پہلے سے ایک شیر تو قبضے میں ہے مرے!
احسانِ کبریا ہے کہ اب دوسرا ملا!

تھا شیر اگرچہ خوف کے معنی سے بے خبر
لیکن یہ بات سن کے تذبذب میں پڑ گیا
پوچھا کہ اے عدوئے خرد اے زباں دراز
سچ کہہ کہ ہے وہ شیر کہاں مجھ کو بھی دکھا
فوراً وہیں پہ بستے سے اپنے نکال کر
اک آئینے کو سامنے نائی نے رکھ دیا
اس آئینے پہ جونہی پڑی شیر کی نظر
اپنا ہی عکس دیکھا لہو خشک ہوگیا
بجلی سی گر پڑی ہوئے ہوش وحواس گم
سوچا کہ آج واقعی آفت میں گھِر گیا!
دہشت سے کانپتے ہوئے جنگل کی سمت پھر
بھاگا وہ الٹے پاؤں تو نائی نے ہنس دیا
ہمت سے کام لے کے بلا سر سے ٹال دو
جو وسوسے فضول ہوں دل سے نکال دو

☆☆

بلی کے گلے میں گھنٹی

مشہور ہے چوہوں نے بہم رائے زنی کی
بلّی کے تشدد سے حفاظت ہے ضروری
لاچار سمجھ کر ہمیں کمبخت ہمیشہ
کھا جاتی ہے صد حیف وہ بدبخت ہمیشہ
اب گھومنا پھرنا ہوا دشوار ہمارا
اس دشت میں رہنا ہوا دشوار ہمارا
تدبیر کوئی سوچیے سب اصغر و اکبر
سقّا کیٔ گربہ سے تحفظ ہو میسر
ہے ذہن میں جس کے کوئی تجویز وہ رکھے
جو رائے ہو منظور اسے ہر کوئی مانے
لمحوں کے تناظر میں پرستاؤ کئی آئے
محرومئی حالات پر الجھاؤ کئی آئے

آئی نہ مگر رائے کسی کی کوئی ایسی
موصول ہو تائید جسے خردوکلاں کی
اک چوہا جو بیٹھا تھا کسی پیڑ کے نیچے
آگے کو بڑھا اپنی وہ اس رائے کو رکھنے
بولا کہ اجازت ہو تو اظہار کروں میں
تجویز کو اک شامل افکار کروں میں
بندھ جائے اگر بلّی کی گردن میں جو گھنٹی
اس دائمی دشمن کے مظالم سے ہو چھٹّی
ہوگی ذرا آواز تو گھس جائیں گے بل میں
صحراؤں کے سنّاٹے پہ شرمائے گی دل میں
اس رائے کو سنتے ہی سبھی ہو گئے مسرور
اندیشے جو دل میں تھے یکایک ہوئے کافور
جتنے تھے وہاں سب نے کہا واہ بھئی واہ
صرف ایک تری رائے ہی معقول ہے واللہ

ہم سب پہ ہے واجب کریں اظہارِ تشکر
مدفون ہوا قوم کا دیرینہ تفکر
ازبس کہ خوشی چوہوں میں ہرسو تھی نمایاں
اک جشن کے سیلاب میں ڈوبا تھا بیاباں
اک عمر رسیدہ کہ جو خاموش تھا چوہا
دو ٹوک عزیزانِ گرامی سے یہ پوچھا
تجویز ہوئی پاس بہت خوب مزے میں
باندھے گا مگر کون بھلا گھنٹی گلے میں
جو ایسا جواں مرد ہے وہ سامنے آئے
ان ''میاؤں'' کی گھڑیوں میں دلیری جو دکھائے
یکبارگی ہرفرد پہ طاری ہوئے سکتے
حیرت سے وہ اک دوسرے کا منہ رہے تکتے
اس امر کی جانب نہ توجہ تھی کسی کی
اس کام کو انجام بھی دینا ہے انہیں ہی

یہ خطرہ اٹھانے پہ ہو تیار بھلا کون
جان اپنی گنوانے پہ ہو تیار بھلا کون
ہے واقف و آگاہ نتیجے سے زمانہ
سب ہو گئے خود اپنے ٹھکانے کو روانہ
اب حال یہی امّتِ مرحومہ کا ٹھہرا
ہے سب کی دلیری پہ مفادات کا پہرا

☆☆

پارٹی صدر کا خطاب

ہم جلیسو! خواہشِ نیتاگری ہے تو سنو
گُر کی باتیں ہیں انہیں اپنی گرہ میں باندھ لو
بس کہ موجودہ سیاست کے لئے ہے لازمی
دفن کر ڈالو ضمیر و غیرت و ایمان کو
عمر بھر کوئی تمہیں ہرگز ہرا سکتا نہیں
شرط ہے مکرودغا اپنا فقط شیوہ رکھو
مسخرہ بن کر بناؤ جاہلوں کو ہم نوا
عزتِ دانشوراں سے برملا کھلواڑ ہو
منتری جی کے لقب سے سب نوازے جاؤ گے
چاہے ''پی ایچ ڈی'' رہو یا ''ایل ایل پی پی'' رہو
خوش نصیبی ہے کہ پھر سرکار اپنی بن گئی
اب جو کرنا ہے کچھ اس کا مختصر خاکہ سنو
شہر سے دیہات سے گزرو جہاں سے ہر جگہ
نفرتوں کی ایک دو چنگاریاں رکھتے چلو

کشت و خوں کی وارداتیں رونما ہوتی رہیں
اپنے چمچوں کو تشدد پر کمر بستہ رکھو
رشوتوں کی گرم بازاری بڑھے از بس بڑھے
تا کہ جنتا کی نظر میں لائقِ عزت بنو
خاص اپنی سرپرستی میں ہی بنواؤ مگر
پل بنے ایسا کہ ٹوٹے سال میں دو بار جو
مجلسوں میں رات دن چیخو جرائم کے خلاف
جرم پیشہ کی مگر امداد در پردہ کرو
ایک بھی پورا نہ ہو ہرگز یہ رکھنا ذہن میں
ہر جگہ چاہے زبانی سیکڑوں وعدے کرو
چاہتے ہو تم ''سماجی نیائے'' کی جے جے مچے
ہر سماجی کام کی فائل کو طاقوں پر رکھو
پاس کرکے خوردنی اشیا، غریبوں کے لئے
گاؤں تک جانے نہ پائیں اوپر اوپر بیچ دو
اس قدر مخدوش ہوں سڑکیں کہ جن پر راہ گیر
سر بہ سر دریائے خوں میں تیرتا معلوم ہو

راز سر بستہ کرے افشا اگر بدخو کوئی
موت کی وادی میں اس کو خامشی سے بھیج دو
اپنے فرضی کارنامے کو سنانے کے لئے
شہر میں قصبات میں بس ''ریلیاں'' کرتے رہو
روز لاکھوں لاکھ کا گھپلا کرو کھلم کھلا
اور جب چھاپہ پڑے گھر پر تو ہنگامہ کرو
دھر پکڑ ہونے لگے جو درمیانِ احتجاج
ریل کی پٹری اکھاڑو انجنوں کو پھونک دو
یرغمالوں کی طرح ہر شخص ہو دہشت زدہ
اب بہار اسٹیٹ میں وہ خوف کا ماحول ہو
خوبیِ تقدیر سے موقع ملا ہے لوٹ کا
کھوکھلی کردو ریاست کو جہاں تک کر سکو
جب برودھی دَل کی جانب سے کوئی آواز اٹھے
ہے اجازت میری اپنی طاقتوں سے کام لو
اور یہ سب ہو ڈھٹائی سے خجالت طاق پر
برملا خم ٹھونک کر للکارو سی۔بی۔آئی کو
تم عمل پیرا رہے میرے اگر احکام پر
لمبے عرصے تک رہوگے حکمراں المختصر

☆☆

حاضر دماغ

ایک گونو جھا کے ہوتے ہیں برابر تذکرے
رہنے والے ضلع دربھنگہ کی اک بستی کے تھے
یہ خیالِ عام ہے موصوف تھے حاضر دماغ
ایک ہی پل میں ادق باتوں کا پالیتے سراغ
یوں تو ان کی ذات سے منسوب ہیں قصے بہت
جن کے ہوتے رہتے ہیں ہر گاؤں میں چرچے بہت
چھانٹ کر ان میں سے ہم نے ایک یہ قصہ چنا
ان کی ہے حاضر دماغی کا ثبوت اس میں کھلا
کھود کر سیندھ ان کے گھر میں چور اک شب آ گیا
گھر یہ گونو جھا کا ہے شاید پتا اس کو نہ تھا
چور کے گھسنے کی جھاجی کو جونہی آہٹ ملی
سوچ کی ہر فوج اپنے مورچے پر آڈٹی

سوچا جھاجی نے مچانا شور ہے اک دم غلط
بے وقوفوں کا ہوا یہ تجربہ پیہم غلط
ہیں ابھی سب لوگ اپنے اپنے گھر سوئے ہوئے
نیند کی آغوش میں دیوار و در سوئے ہوئے
میرا شوروغل وہ سن کر آئیں گے جب تک یہاں
چور اندھیرے میں ہَوا ہو جائے گا جانے کہاں
اور پکڑتا ہوں تو حملہ مجھ پہ کردے گا ضرور
فائدہ ہتھیار کا اپنے اٹھالے گا ضرور
بے خبر سوئی ہوئی بیوی کو جبراً چیخ کر
نیند سے بیدار کرکے بول اٹھے اے بے ہنر
تیری نا عقلی نے آج اک کام ایسا کردیا
سینکڑوں روپے کا چونا ایک دن میں لگ گیا
کور ذہنی تیری یہ جانے کہاں لے جائے گی
کشتیٔ عمرِ رواں میری بھنور میں آگئی

کیا سمجھ رکھا ہے اپنے آپ کو تونے بتا
اب بلا تاخیر کے ہو جائے اس کا فیصلہ
دیکھتا ہوں بس انہیں پر ناز رہتا ہے تجھے
کیا کریں گے تیرے میکے والے بتلادے مجھے
حیف ہے ان پر ابھی تک مجھ کو پہچانا نہیں
ہتھکڑی لگوا نہ دی تو نام گونوجھا نہیں
تلخ باتیں سن کے بیوی ایک دم تیورا اٹھی
اشتعال انگیزیوں سے وہ بھی اب پرجوش تھی
اور پھر ایسا ہوا گھمسان کا وہ رن پڑا
دیکھتے ہی دیکھتے گھر جنگ کا میدان تھا
دوبدو ہونے لگا بے باق آپس کا حساب
اک کہا جھاجی نے اس کے دو ملے ان کو جواب
دونوں کی تکرار سے وہ شور برپا ہوگیا
چند ہی لمحات میں سارا محلّہ جاگ اٹھا

لوگ سمجھانے بجھانے کے لئے پہنچے وہاں
اس طرح لڑنے جھگڑنے کا ابھی موقع کہاں

شوق سے لڑ لیجئے گا صبح ہونے دیجئے
آپ بھی سو جایئے ہم سب کو سونے دیجئے

جل کے بیوی نے کہا اہلِ محلّہ سے سنو
کیا خطا میری ہے اس کا فیصلہ تم ہی کرو

سوئی تھی مجھ کو جگا کر گالیاں دینے لگے
کاٹ ڈالوں گا ، یہاں تک دھمکیاں دینے لگے

میرے میکے والوں سے تکلیف کیا ان کو ہوئی
پوچھئے للکارتے ہیں کیوں انہیں یہ ہرگھڑی

یوں ہی ان کی سختیاں سہتی رہوں گی عمر بھر
میکے والوں کی برائی سن نہیں سکتی مگر

گاؤں والوں نے ادب کے ساتھ جھاجی سے کہا
آپ بھی ایسا کریں گے شائبہ اس کا نہ تھا

اب زباں کھولی کہا جھاجی نے اے پنچو سنو
اعتبار اس کی نہ میری بات پر ہرگز کرو

ابتدا سے انتہا تک کے گواہِ معتبر
گھر کے اندر ہی مرے تشریف رکھتے ہیں اِدھر

آیئے ان سے ہی پوری جانکاری لیجئے
پھر جو ہو معقول اس کا تصفیہ کردیجئے

چور اک کوٹھی کے پیچھے جا چھپا تھا سوچ کر
جب یہ سو جائیں گے لڑکر مال ہوگا اپنے گھر

سرمنڈاتے ہی مگر بے چارے کے اولے پڑے
جو پلان اس نے بنائے تھے اکارت ہوگئے

گاؤں والوں نے دبوچا اور سیانے چور کی
صبح تک خاطر تواضع میں نہ کی کوئی کمی

☆☆

لطیفہ

(اساتذہ سے معذرت کے ساتھ)

گوشۂ دل میں اک افسر کے یہ جذبہ جاگ اٹھا
چل کے شکشا کا لیا جائے ذرا سا جائزہ
گر چکا ہر سطح سے معیار اب تعلیم کا
اس کی اصلاحات کا دائتیو بنتا ہے مرا
یہ خیال آتے ہی فوراً ہو گیا محوِ سفر
گاؤں کی جانب چلا چلتا رہا المختصر
اک ادارے کے احاطے میں وہ پہنچا ناگہاں
ایک لڑکا کھیلتا اس کو نظر آیا وہاں
پاس اشارے سے بلایا پیار سے پوچھا بتاؤ
کس نے سیتا کی کماں توڑی جواب اس کا بتاؤ
اس سوالِ ناشنیدہ سے ہوئے اوساں خطا
بدحواسی میں وہ لڑکا صرف اتنا کہہ سکا

ماں قسم کہتا ہوں سر میں نے کماں توڑی نہیں
توڑنا تو دور اس کی شکل تک دیکھی نہیں
دل میں آفیسر کے گزرا ٹھیک نکلا شک مرا
اب کسی اسکول میں ہوتی نہیں شکشا ذرا
آگ میں غصے کی وہ جل کر سراپا رہ گیا
کاریالے کی طرف جاتے ہوئے اتنا کہا
میں بتاتا ہوں ابھی وجہِ جہالت کون ہے
بھیج دو آفس میں استادِ جماعت کون ہے
بھاگ کر استاد آفس میں جونہی داخل ہوا
دیکھ کر افسر اسے جامے سے باہر ہوگیا
ڈانٹ کر پوچھا یہی تعلیم ہوتی ہے یہاں
زندگانی چھاتروں کی بس کہ روتی ہے یہاں
ایجوکیشن پر تو اربوں خرچ ہے سرکار کا
لیکن ابتر حال ہے تعلیم کے معیار کا

عام باتوں کی اگر بچے کو آگاہی نہ ہو
بند کردینا ہی بہتر ہے ہر اک اسکول کو

خوف کے مارے وہ استادِ جماعت کانپ اٹھا
ڈرتے ڈرتے پوچھ بیٹھا کیا ہوا سر کیا ہوا؟

شعلہ رو ہو کر پھر افسر نے کہا سن لیجئے
آپ بچوں کو پڑھاتے کیا ہیں بتلا دیجئے

میں نے اک لڑکے سے پوچھا یہ بتاؤ تو سہی
کس نے سیتا کی کماں توڑی سناؤ تو سہی

ماں قسم کھاکر کہا میں نے نہیں توڑی جناب
آپ ہی بتلایئے کیا ہے یہی اس کا جواب

اب تو استادِ جماعت کا بڑھا کچھ حوصلہ
برملا افسر کے منہ پر صاف لفظوں میں کہا

قلب بچوں کا صداقت کی ہے اک آرام گاہ
سچ کہا اس نے تو کیا سچ بولنا بھی ہے گناہ

واقفیت کیا اسے ہے جھوٹ کے مفہوم سے
جب کماں توڑی نہیں اس نے تو کہئے کیا کہے

حاکمِ تعلیم نے صدرالمدرس سے کہا
ماسٹر صاحب سنا! یہ حال ہے استاد کا

ہیڈ صاحب سن کے سنّاٹے میں یکسر آگئے
دکھ بھرے لہجے میں یوں ارشاد فرمانے لگے

اس کہانی سے مرا دل واقعی غمگین ہے
مسئلہ لگتا ہے ''سر'' یہ تو بڑا سنگین ہے

سانحہ اتنا بڑا میرے ادارے میں ہوا
آج تک مجھ کو اندھیرے میں مگر رکھا گیا

آپ اطمینان رکھیں میں لگاتا ہوں پتہ
جس نے توڑی ہے کماں اس کو کڑی دوں گا سزا

اور کہا اپنے معاون سے ہوا ہو جایئے
لائے ہیں تشریف ''سر'' سمّان میں کچھ کیجئے

مرغ وماہی کے ہوئے سب اہتمامِ خوب تر
ٹیچروں نے دے دیا جی کھول کر زادِ سفر

لب پہ آفیسر کے چلتے وقت تھا انجم یہی
بھاڑ میں تعلیم جائے جیب تو گرما گئی

☆☆

رشتہ

دخترِ نیک اختر اک صاحب کی بالغ ہوگئی
ہاتھ پیلے کس طرح اس کے ہوں یہ تشویش تھی
کافی دن کی جستجو کے بعد اک لڑکا ملا
بات چلتے چلتے رشتے کی یہ آیا مرحلہ
والدِ دختر نے سوچا چل کے لڑکا دیکھ آئیں
چال ڈھال اس کی ہے کیسی یہ ذرا سا دیکھ آئیں
کچھ عزیزوں کو بلا کر مشورہ ان سے لیا
دور اندیشی سے کرکے غور سب نے کہہ دیا
ٹھوک اور اس کو بجا کر دیکھ لینا چاہیے
دل کو ہر پہلو سے اطمینان ہونا چاہیے
تاکہ آئندہ رہے گنجائشِ شکوہ نہیں
بعدمیں ہو معرکہ آرائی یہ اچھا نہیں
اس لئے کچھ اقربا کو ساتھ لے کر آگئے
مستعد تھے لڑکے والے خیر مقدم کے لئے

تھے شریف انساں شرافت میں نہ کی کوئی کمی
اپنے مہماں کی ضیافت میں نہ کی کوئی کمی
وقتِ رخصت تھا یہ سمدھی کا خیالِ مختصر
چند لمحوں کے لئے باہر بلا لیتے اگر
دیکھ لیتے اپنی آنکھوں سے عزیزم کو ذرا
خانۂ قلب و جگر سے دور ہوتا وسوسا
والدِ نوشاہ نے یہ صاف لفظوں میں کہا
منفرد ہے عہدِ حاضر میں یہ میرا لاڈلا
مرد و عورت ہو جوان وپیر ہو کوئی بھی ہو
سب غنیمت جانتے ہیں میرے برخوردار کو
گاؤں والے دل کی گہرائی سے کرتے ہیں دعا
خوبیاں اس میں جو ہیں ان کو جلا بخشے خدا
دوست ہو ، دشمن ہو یا اپنا پرایا ہو کوئی
ہر کسی کو اک نظر سے دیکھتا ہے با خوشی
ہو گیا خود والدِ دختر کو یہ پختہ یقیں
اس طرح کا واقعی لڑکا تو اب ملتا نہیں

دل ہی دل میں قسمتِ دختر پہ نازاں ہوگئے
اور لڑکے کو بِنا دیکھے وہاں سے چل پڑے
اب جواباً لڑکے والے آئے لڑکی دیکھنے
اجنبی افراد کی اوقات و ہستی دیکھنے
بیشتر ان کے بزرگانِ گرامی ساتھ تھے
میزباں بھی سب کے سب خدمت گزاری میں رہے
جس قدر خاطر تواضع کی یہاں تنویر تھی
لڑکے والوں کی ضیافت ہیچ ثابت ہوگئی
پھر تو رسموں کے مطابق تذکرہ جب چھڑ گیا
چل کے آنگن سرسری دیکھیں دلہن کو اب ذرا
والدِ دختر یہ بولے قول صادق مانئے
آدمی کی قدر و قیمت کام سے پہچانئے
دیکھنا کیا فرض ہے لڑکی ہے ایسی بھائی جان
اس صفت کی آج تک دیکھی نہ زیرِ آسمان

یوں اگر ہو آپ کی مرضی دکھا سکتا ہوں میں
سامنے سب کے یہیں اس کو بلا سکتا ہوں میں
لیکن اس کی خوبیاں پہلے سماعت کیجئے
شوق سے ناچیز کو پھر حکم فرما دیجئے
رات ہو دن ہو کہ صبح وشام ہو یا دوپہر
پائے استقلال پر اس کے نہیں پڑتا اثر
گرمیٔ وسردی کے حملے سے وہ گھبراتی نہیں
غفلت وسستی قریب اس کے پھٹک پاتی نہیں
محترم حضرات کی خدمت گزاری کے لئے
ایک ہی پاؤں پہ رہتی ہے کھڑی سن لیجئے
والدِ نوشاہ نے فوراً کیا سجدہ ادا
کھل اٹھا خوشیوں سے چہرہ بول اٹھے بے ساختہ
چھوڑیئے سمدھی دکھانے کی ضرورت کچھ نہیں
دخترِ خوش بخت کو لانے کی حاجت کچھ نہیں

ہوگئی پوری تشفی کیا کریں گے دیکھ کر
برق رفتاری سے اب آگے بڑھے کارِ دگر
دونوں جانب کے جو دل کو دل سے راحت ہوگئی
چٹ ہوئی منگنی تو پٹ اے دوستو شادی ہوئی
بعد شادی کے جو پنہاں راز تھا افشا ہوا
کس لئے دونوں نے اپنا مال پوشیدہ رکھا
اک نظر سے دیکھتے تھے سب کو جو دولہا میاں
در حقیقت آنکھ ان کی ایک ہی تھی ضوفشاں
اور دلہن اک پاؤں پر رہتی تھی کیوں ہر دم کھڑی؟
اصل میں اس کی بھی تھی اک ٹانگ چھوٹی اک بڑی

☆☆